جُمادی الاُخریٰ۔شعبان المعظّم ۱۴۳۵ھ
اپریل۔جُون ۲۰۱۴ء

سہ ماہی

حکمت قرآن

لاہور

مؤسس: ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

مرکزی انجمن خُدّام القرآن لاہور

داعی رجوع الی القرآن، بانی تنظیم اسلامی

محترم **ڈاکٹر اسرار احمد** رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمۂ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول سورۃ الفاتحہ وسورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
(آٹھواں ایڈیشن) ———— صفحات: 360، قیمت 450 روپے

حصہ دوم سورۃ آلِ عمران تا سورۃ المائدہ
(چھٹا ایڈیشن) ———— صفحات 321، قیمت 425 روپے

حصہ سوم سورۃ الانعام تا سورۃ التوبہ
(چوتھا ایڈیشن) ———— صفحات 331، قیمت 425 روپے

حصہ چہارم سورۃ یونس تا سورۃ الکہف
(تیسرا ایڈیشن) ———— صفحات 394، قیمت 460 روپے

حصہ پنجم سورۂ مریم تا سورۃ السجدۃ
(دوسرا ایڈیشن) ———— صفحات 480، قیمت 575 روپے

* عمدہ طباعت * دیدہ زیب ٹائٹل اور مضبوط جلد * امپورٹڈ آفسٹ پیپر

ملنے کے پتے

انجمن خدام القرآن خیبر پختونخوا پشاور
A-18، جمنیشن ریلوے روڈ نمبر 2، شعبہ بازار پشاور، فون: (091)2584824,2214495

مکتبہ خدام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: (042)35869501-3

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرۃ: ۲۶۹)

سہ ماہی حکمت قرآن لاہور

جلد ۳۳ شمارہ ۲

جمادی الاخریٰ۔شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ اپریل۔جون ۲۰۱۴ء

بیاد:

محمد رفیع الدین مرحوم ــــ ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

مدیر مسئول: ڈاکٹر ابصار احمد

مُدیر: حافظ عاطف وحید

نائب مُدیر: حافظ خالد محمود خضر

ادارۂ تحریر:
ڈاکٹر حافظ محمد زبیر۔ حافظ نذیر احمد ہاشمی
پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

یکے از مطبوعات مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔فون 3-35869501

ویب سائٹ : www.tanzeem.org

ای میل: publications@tanzeem.org

سالانہ زرِتعاون: 200 روپے ، فی شمارہ: 50 روپے

اس شمارے میں

حرفِ اوّل

کہ رہوارِ یقین ما بصحرائے گماں گم شد	ڈاکٹر ابصار احمد	3

تذکّر و تدبّر

سورۃ التّین کے رموز و اَسرار	ڈاکٹر صہیب حسن	6

فہمُ القرآن

ترجمۂ قرآن مجید‘ مع صرفی و نحوی تشریح	افادات حافظ احمد یارؒ	15

حکمتِ نبویؐ

حج کی فرضیت اور فضیلت	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	30

حقیقتِ دین

کیا اسلام کے سوا کوئی اور دین قابلِ قبول ہے؟	نصیر احمد قاسمی	33

قرآنیات

قراءتِ امام حفصؒ بروایت امام عاصمؒ: تعارف و تجزیہ	محمد طارق	43

فکر و نظر

تاریخ اسلام اور مستشرقین (۶)	ڈاکٹر حافظ محمد زبیر	48

صنم کدہ ہے جہاں

آج کا ’’ہبل‘‘ (بڑا بت): مادہ پرستی	چوہدری رفاقت علی	61

کتاب نما

تعارف و تبصرہ	ادارہ	82

بیانُ القرآن

MESSAGE OF THE QURAN	Dr. Israr Ahmad	96

کہ راہوارِ یقینِ ما بصحرائے گماں گم شد

راقم الحروف نے پروفیسر مرزا محمد منوّر مرحوم و مغفور کے شعر کا ایک مصرعہ زیرِ نظر مختصر سی تحریر کا عنوان بوجوہ بنایا ہے۔ میرا احساس یہ ہے کہ جس طرح کم و بیش ربع صدی قبل پروفیسر صاحب نے ملّتِ اسلامیہ کے ایمانی کیفیت کی نقشہ کشی کی تھی' اس میں کسی طور کمی کی بجائے معاملہ افزوں تر ہے۔ عددی لحاظ سے اگرچہ صورت حال مختلف ہے۔ گزشتہ ڈیڑھ دو دہائیوں کے دوران عالمی سطح پر جتنے غیر مسلم حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے ہیں وہ اَعدائے اسلام کے لیے ہوشربا ہے۔ اگر قبولِ اسلام کے اس رجحان کو اسلام کے پھیلاؤ کا انڈکس مان لیا جائے تو گمان غالب ہے کہ مستقبل قریب میں مسلمان تعداد کے اعتبار سے عیسائیوں سے بڑھ جائیں گے اور اسلام دنیا میں دوسرے نمبر کی بجائے پہلے نمبر پر آ جائے گا۔ انٹرنیٹ پر موجود عامر الہوشان کا مضمون تفصیلی اعداد و شمار کے ساتھ ثابت کرتا ہے کہ اسلام دنیا کا سب سے تیزی سے پھیلنے والا دین ہے۔ اس صورت حال کے برخلاف اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے جذبات کے تحت مغربی اقوام کا انہیں بالعموم تشدد پسند' غیر مہذّب انبوہ قرار دینا ایک پوری تہذیب کی تذلیل ہے اور مغربی طاقتوں کے اخلاقی دیوالیہ پن کا بین ثبوت ہے' جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ملّتِ اسلامیہ میں سابقہ USSR کے برخلاف مغرب کے لیے کوئی خفیہ عناد یا سیاسی سازش و مخاصمت کا عنصر نہیں ہے' بلکہ وہ تمام نوعِ انسانی کو اُمتِ دعوت کا حصہ جان کر ان کے ساتھ معاملہ نصح و خیر خواہی کی بنیاد پر کرنا چاہتی ہے۔ جو اختلاف ہے وہ یقیناً ہے لیکن وہ فکری اور تہذیبی ہے۔

دوسری جانب نہایت افسوس کے ساتھ ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا ہے کہ اسلامیت اور ایمانی و روحانی ترفع کے اعتبار سے ہماری عظیم اکثریت کا معاملہ دگرگوں ہے۔ ایمان کے جس منبع و سرچشمہ یعنی قرآن حکیم کو ہمارے لیے ایک پاکستانی نژاد امریکی مسلمان پروفیسر آف فلاسفی کے فکر انگیز الفاظ میں نہ صرف oral and aural presence بلکہ انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں کے لیے ہادی و رہنما ہونا چاہیے تھا وہ ہماری توجہات سے باہر ہے۔ اس پر غور و تفکر تو کجا' ہم اس کی تلاوت بھی کم کم ہی کرتے ہیں۔ بلادِ اسلامیہ کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ بالخصوص دو حوالوں سے عصری فلسفیانہ لٹریچر میں پائے جانے والے افکار سے متاثر ہو کر وحی پر مبنی دین کے مسلّمات کو ہی چیلنج کرنا شروع کر دیتا ہے۔ میں آئندہ سطور میں انہی کی مختصر وضاحت اپنے محدود مطالعے کی روشنی میں کروں گا۔

گزشتہ صدی کے نصفِ اول کو مغرب میں فکر و فلسفہ اور منہاجیات میں وہ جدیدیت جو نشأۃ ثانیہ اور تحریکِ تنویر سے شروع ہوئی تھی' کا آخری اور مکمل ترین مرحلہ قرار دیا جا سکتا ہے جس کے بعد ''پس جدیدیت''

(post-modernity) کا اندازِ فکر لیے ہوئے دانشور اور تصانیف ہمارے مطالعے میں آتی ہیں۔ ماقبل پیراگراف میں جن دو مؤثر حوالوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ انہی دو ادوار سے منسلک ہیں اور اسلام کے فکری پیراڈائم سے نہ صرف تعارض رکھتی ہیں بلکہ ان کے مابین بُعدالمشرقین ہے' کیونکہ یہ دورِ حاضر کے مائنڈ سیٹ یا بالفاظِ دیگر جاہلیتِ جدیدہ کے بنیادی تصورات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اوّل الذکر دور کے نمائندہ مفکّر کے طور پر برٹرینڈ رسل کو لیا جاسکتا ہے جس کی طویل عمر کے دوران لیکچرز اور تصانیف کے اثرات دنیا بھر میں پھیلے ہیں۔ اس کے نظامِ فکر کے مختلف گوشے ہیں' لیکن اس نے بالخصوص تعلیم کے مقاصد' تنقیدی فکر کی اہمیت اور منہاجیات پر بھی جابجا خیالات کا اظہار کیا ہے جن میں ایک اہم نکتہ "value of uncertainty" (یعنی تشکیک اور غیر یقینی ذہنی و علمی کیفیت کی اہمیت اور قدر و قیمت) ہے جسے بعض اہلِ قلم نے رسل کی متعدد نگارشات سے منتخب کر کے "A Liberal Decalogue" (یعنی لبرل ازم کے احکامِ عشرہ باندازِ شریعت موسوی کے احکامِ عشرہ) کا عنوان دیا ہے۔ ان دس احکام میں سب سے پہلا اور اہم ترین یہ ہے:

Do not feel absolutely certain of anything.

قارئین بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس طرح یہ اصول ایک طرف تاریخ انسانی میں وحی ربانی اور پیغمبروں کے اقوال و افعال پر مشتمل دینی روایت پر تیشہ بن کر گرتا ہے' تو دوسری جانب انسانوں میں حتمیت اور قطعیت والا یقین و ایقان جو ایک ناگزیر فطری ضرورت ہے' کی نفی اس سے ہوتی ہے۔ یورپ اور امریکہ کی جامعات میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے مسلم نوجوانوں کی کثیر تعداد برٹرینڈ رسل اور اس سے ملتے جلتے خیالات پیش کرنے والے مفکر کارل پوپر سے متاثر ہو کر مذہبی اذعان و ایقان کو شک اور حقارت کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں۔ چنانچہ دانشِ غرب کے زائدہ افکار نے انسان کے اعتماد' خدا پر ایمان' زندگی بسر کرنے کے لیے کسی ضابطے' راستے اور عقیدے---سب کو نہ صرف ٹھیس پہنچائی ہے' بلکہ انہیں کمزور اور نامعقول (irrational) اور لغو (absurd) قرار دے کر انسان کو تشکیک اور تذبذب میں مبتلا کیا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح علامہ اقبال نے بہت پہلے اس صورت حال کو بھانپ کر اس کی صحیح نباضی کی تھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

علم حاضر پیش آفل در سجود شک بیفزود و یقین از دل ربود

(جدید علم' غروب ہونے والوں کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ یہ انسان کو شک و شبہ میں مبتلا کرتا اور یقین و اعتماد دلوں سے رخصت کرتا ہے)

اور اسی لیے آج کا انسان ''بوعلی اندر غبارِ ناقہ گم'' کی کیفیت سے دوچار ہے۔

اب آیئے دوسرے فکری عامل کی طرف۔ مابعد جدیدیت کی عصری فکریات اور فلسفہ علومِ عمرانی میں کثیر المدنیت یا multiculturalism کو آج کل قبولِ عام حاصل ہے' جس کا جملہ اصولوں میں اہم ترین سلوگن ایک مشہور مصنف نے اس طرح پیش کیا ہے:

Beware of dichotomies; Avoid pernicious dualisms; Think dialectically.

مغربی دانشوروں کی تحریروں کا سحر اور علمیات کے میدان میں اس اپروچ کا اثر بڑے پیمانے پر ہمارے ہاں کے روشن خیال قلم کاروں نے بھی قبول کیا ہے' چنانچہ اس قبیل کے خواتین وحضرات اپنے اس فکر کو بڑی شدومد کے ساتھ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ہمیں ہر معاملے میں binary اور exclusivist انداز کی بجائے سب سے کمپرومائز اور ایڈجسٹمنٹ (مصالحت ومفاہمت) کر کے چلنا چاہیے' جبکہ امر واقعہ ہے کہ ایک مسلمان جو قرآن و حدیث کے محکمات پر یقین رکھتا ہے' ہرگز اس پالیسی کو اختیار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس کی پوزیشن اس شعر کے مطابق ہوتی ہے ؎

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے　　شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول!

حقیقت یہ ہے کہ حق و باطل' خیر وشر اور عدل وظلم کے مفاہیم اور تصورات (Categories, Notions) متضاد اور متخالف ہیں اور ان کو خلط ملط کرنے کی اجازت قانونِ خداوندی ہرگز نہیں دیتا۔ حق پرستوں اور کفر و عدوان کے پرستاروں کے درمیان polarization کو کبھی ختم نہیں کیا جا سکتا۔ ایسا اگر ممکن ہوتا تو رحمۃٌ للعالمین ﷺ کے عہدِ رسالت میں یقیناً ہو چکا ہوتا' جبکہ سیرت طیبہ کے تاریخی حقائق گواہ ہیں کہ دین اسلام اور کفر کے نظام کا فرق اور حق و باطل کی کشمکش آپ ؐ کی حیاتِ طیبہ کے آخری لمحات تک جاری رہی۔ شک وشبہ اور غیر قطعیت کو ایک اعلیٰ علمی قدر اور رویے کے طور پر اپنانے کا نتیجہ عملاً ''جاہلیتِ جدیدہ''، لبرل ہیومن ازم' حق سے روگردانی اور اھواء اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کی صورت میں ہر ہوش مند اور دیدۂ بینا رکھنے والا شخص دیکھ سکتا ہے۔ یونیورسٹیوں میں پڑھائے جانے والے فلسفہ ودانش کا معاملہ بھی انتہائی مایوس کن ہے جسے مغرب کے بعض سنجیدہ مفکر خود بھی محسوس کرتے ہیں۔ واقعتاً نام نہاد مفکرین کی کیفیت قرآن کے الفاظ میں ﴿اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ خَوْضٍ یَّلْعَبُوْنَ﴾ — ''وہ حق کی تکذیب اور استہزاء اور بیہودہ گوئی میں اچھل کود کر رہے ہیں۔'' (ترجمہ' مولانا محمد جوناگڑھی) — کی تصویر ہے۔ اس کی تصویب خود ایک اہم برطانوی فلسفی الیسڈیئر میکنٹائر نے ان الفاظ میں کی ہے کہ اب فلسفیوں کے پاس لسانی تحلیل وتجزیہ بعنوان 'Language games' اور 'Epitaph writing' (لوحِ مرقد پر لکھے جانے والے چند الفاظ اور مختصر عبارت) کی تحریر کا کام رہ گیا ہے۔ اس صورت حال میں مسلمانوں کو قرآن حکیم میں دیے گئے علم وحکمت اور ابدی اور غیر مبدّل ہدایت پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ چنانچہ علامہ اقبال کا یہ شعر ؎

صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست
عصرہا پیچیدہ در آناتِ اوست

جہاں ایک طرف نویدِ جانفزا ہے' تو ساتھ ہی دعوتِ فکر اور دعوتِ عمل بھی ہے کہ قرآن کریم کی دی ہوئی روشنی اور نور سے ہم تشکیک اور ارتیابیت کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارتی ہوئی انسانیت کو صراطِ مستقیم دکھائیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ علمائے اُمت' بالخصوص برادر بزرگ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی قائم کردہ انجمن خدام القرآن کے تمام وابستگان کو اس مبارک کام اور فریضے کو کما حقہ ادا کرنے کی توفیق ارزانی کریں۔ آمین!

سُورۃُ التّین کے رُموز واَسرار

ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)

قرآن مجید وہ کتاب ہے جس کے رموز واسرار' جس کے لطائف وعجائبات' جس کے معانی ومطالب ایک بحر بیکراں کے مانند ہیں کہ ہر زمانہ میں متلاشیانِ علم اس بحر کی غواصی کرتے آئے ہیں اور اس کی تہہ سے انمول موتی اور ہیرے جواہرات بقدرِ استطاعت چنتے رہے ہیں۔ ہر سورت کا ایک مرکزی مضمون ملحوظِ خاطر رہنا چاہیے کہ جسے جاننے کے لیے اس سورت کی آیات سے مدد ملتی ہے۔ سورت مختصر ہو تو اس کے مضمون کو سمجھنے میں چنداں دقت نہیں ہوتی' اگر طویل ہو تو پہلے اس کے محاور (ذیلی مضامین) کو متعیّن کیا جائے' اور یہ محاوران مجموعہ آیات پر مشتمل ہوں گے جن میں ایک خاص موضوع کو بیان کیا گیا ہو۔ قرآن کے نظم کو اس طرح سمجھنے کے لیے متقدمین نے بھی بہت کچھ لکھا ہے اور متأخرین نے بھی۔ متقدمین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ' احمد بن الزبیر الغرناطی (ساتویں صدی)' برہان الدین البقاعی (نویں صدی)' جلال الدین سیوطی (دسویں صدی) اور دیگر علماء (رحمہم اللہ) کے نام آتے ہیں۔ عصر حاضر میں سید قطب' حمید الدین فراہی' مولانا مودودی' مولانا امین احسن اصلاحی (رحمہم اللہ) نے اس فن کو اپنی کتبِ تفسیر میں نکھارا ہے۔ معاصرین میں سے میں دو نام لوں گا جن کے ذوقِ تفسیر اور تدبّرِ کتاب کو میں سراہتا ہوں' ان سے میں نے کسب فیض بھی کیا ہے اور انہی کے انداز پر میں نے خود بھی تدبّرِ قرآن کا اہتمام کیا ہے۔ میری مراد ہے: (۱) محترم خلیل الرحمٰن چشتی سے جو ''قرآنی سورتوں کا نظم جلی'' کے مؤلف ہیں اور (۲) کویت کے محترم شیخ عدنان عبدالقادر سے جو اس فن میں چھوٹی بڑی تین چار تصنیفات منظرعام پر لا چکے ہیں۔

میں نے اس مضمون کے لیے سورۃ التین کو چنا ہے' لیکن یہ سلسلہ مضمون باقی سورتوں کو اپنے دامن میں سموتے ہوئے آگے بڑھتا رہے گا' ان شاء اللہ۔ چشتی صاحب کے فکر میں شیخین (مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی) کی جھلک ہے اس لیے میں ان دونوں اساطین علم کا علیحدہ سے تذکرہ نہیں کر رہا۔ اور شیخ عدنان عبدالقادر کی تحریروں میں سے بقاعی اور غرناطی جھانک رہے ہیں' اس لیے میں انہیں عرب مفسرین وعلماء کے فکر ونظر کا شناور جانتے ہوئے متقدمین کے اشارۃً ذکر پر اکتفا کروں گا۔

اب آیئے سورۃ التین کے مرکزی مضمون کی طرف۔ چشتی صاحب اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ''تمام انبیاء کی نقلی تعلیمات میں امکانِ آخرت اور عدلِ آخرت کے دلائل موجود ہیں۔ عقل بھی امکانِ آخرت اور عدلِ آخرت کی حقانیت کو تسلیم کرتی ہے' لہٰذا آخرت پر پختہ ایمان اور یقین ضروری ہے۔ آخرت کے عقیدے کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔''

عدنان عبدالقادر سورتوں کے مقاصد پر مشتمل اپنی کتاب ''اللّمات الحانية فی مقاصد السُّور الغانية'' میں ارشاد فرماتے ہیں' جس کی ترجمانی ان الفاظ سے ادا ہوگی کہ لوگ معادن (کانوں) کی طرح ہیں اور نفوسِ انسانیہ کے کئی رنگ ہیں' جب مصیبتیں پڑتی ہیں تو اُن کے اوپر سے پردہ اُٹھ جاتا ہے۔ نفوس میں کچھ انجیر کی طرح میٹھے ہوتے ہیں' کچھ زیت زیتون کی مانند صاف اور روشن ہوتے ہیں۔ تیسرے وہ جو جبل طور کی طرح ثابت قدم رہتے ہیں اور چوتھے وہ جو بلدامین کی طرح امن واطمینان کا گہوارہ ہیں۔ اور جس نفس میں جتنا ایمان ہوگا اور عمل صالح کا حصہ ہوگا اتنا ہی مذکورہ خصلتوں میں سے حصہ ملے گا۔ کچھ کم پائیں گے اور کچھ زیادہ۔ جو زیادہ حصہ پائیں گے وہ ''احسن تقویم'' کے روادار ہوں گے اور جو اس سے تہی دامن ہوں گے وہ ''اسفل سافلین'' میں جگہ پائیں گے اور یہی سورۃ التین کا مقصد ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لوگ سونے چاندی کی کانوں کی طرح ہیں' جو لوگ ان میں سے دور جاہلیت میں سب سے بہتر تھے وہ اسلام میں بھی سب سے بہتر ہوں گے' اس شرط کے ساتھ کہ وہ دین کی سمجھ رکھتے ہوں۔''

راقم السطور نے اس سورت کے مرکزی مضمون کے بارے میں یہ سطور قلم بند کیں:

''انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا گیا' لیکن وہ اپنے بداعمال کی بنا پر اتھاہ گہرائیوں میں گرتا چلا جاتا ہے' لیکن اللہ نے اس کے لیے وہاں سے نکلنے کا راستہ رکھا ہے اور وہ تجدید ایمان اور عمل صالح کا راستہ ہے۔''

اب اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو:

''سورۃ التین میں چار چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے اور اس کے بعد کہا گیا کہ ''ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے اور اس کے بعد اسے اسفل سافلین میں دھکیل دیا ہے' سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لاتے ہیں اور عمل صالح سے بہرہ ور ہوتے ہیں''۔ یہاں جن چار چیزوں (انجیر' زیتون' طورِ سینا' بلدامین) کی قسم کھائی گئی ہے انہیں اس بات پر شاہد ٹھہرایا گیا ہے کہ بنی نوع انسان کی زندگی میں عروج بھی ہے اور زوال بھی' اور زوال سے باہر نکلنے کا راستہ بھی۔''

گویا اس کی زندگی کا گراف انگریزی حرف V کی مانند ہے' یا اگر گراف بنایا جائے تو اس کی شکل ایسے ہوگی:

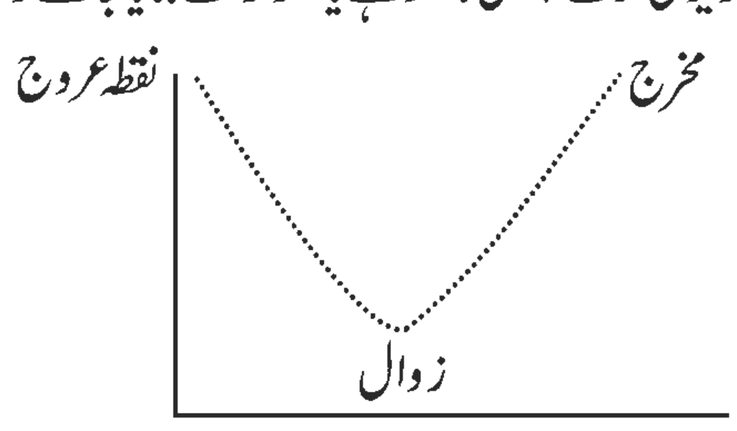

سب سے پہلے انجیر کی قسم کھائی۔ یہاں اشارہ ہے حضرت آدم علیہ السلام کے قصے کا کہ جس میں وہ اور ان کی بیوی حوا اپنی برہنگی کو انجیر کے پتوں سے ڈھانکتے نظر آتے ہیں۔ قصہ آدمؑ قرآن میں کئی جگہ بیان ہوا ہے۔ ہم سورۂ طٰہٰ کی آیات کو موضوع بحث بناتے ہیں۔

﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِىَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾﴾

''اور اس سے پیشتر ہم نے آدم سے ایک عہد لیا تھا مگر وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا ایسا عزم نہ پایا۔''

﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾﴾

''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے اسے سجدہ کیا' مگر اُس نے حکم نہ مانا۔''

﴿فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾﴾

''لہٰذا ہم نے آدم سے کہا کہ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے' یہ خیال رکھنا کہ وہ کہیں تمہیں جنت سے نکلوا نہ دے' پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔''

﴿اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾﴾

''یہاں تو تمہیں نہ بھوک ستاتی ہے نہ ننگے رہتے ہو۔''

﴿وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾﴾

''نہ پیاس لگتی ہے اور نہ دھوپ۔''

﴿فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾﴾

''پھر شیطان نے آدم کے دل میں وسوسہ ڈالا اور کہا: اے آدم! میں تمہیں وہ درخت نہ بتاؤں جس سے ابدی زندگی اور لازوال سلطنت حاصل ہوتی ہے!''

﴿فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾﴾

''آخر ان دونوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا جس سے ان کے ستر کے مقامات ایک دوسرے کے آگے کھل گئے تو وہ جنت کے پتوں سے انہیں ڈھانکنے لگے' اور آدم نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی لہٰذا وہ بھٹک گئے۔''

﴿ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾﴾

''پھر ان کے پروردگار نے انہیں برگزیدہ کیا' ان کی توبہ قبول کی اور ہدایت بخشی۔''

﴿قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾﴾

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دونوں (یعنی انسان اور شیطان) سب یہاں سے نکل جاؤ' تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے' پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ تو گمراہ ہو گا اور نہ تکلیف اٹھائے گا۔''

(ترجمہ از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی: تیسیر القرآن)

ان آیات سے یہ باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) حضرت آدم اور حواء (علیہما السلام) جنت کی تمام نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ بھوک' پیاس' گرمی' سردی

کے آزار سے بے پروا زندگی گزار رہے تھے۔

(۲) اللہ تعالیٰ سے کیے گئے عہد کو بھول جانے کے سبب شیطان کے بہکاوے میں آ گئے اور اُس درخت کا پھل کھالیا جس کے قریب جانے سے بھی منع کیا گیا تھا۔

(۳) نتیجتاً انہیں لباسِ جنت سے محروم کر دیا گیا اور انہیں اپنی برہنگی کا احساس ہوا۔

(۴) برہنگی کا احساس ہوتے ہی انہوں نے جنت کے پتوں سے اپنے ستر کو ڈھانپنا شروع کیا۔ اکثر مفسرین کے نزدیک جنت کے پتوں سے مراد انجیر کے پتے ہیں' اور اسی تفسیر کی بنا پر انجیر کے ذکر میں قصہ آدم کو لایا جا رہا ہے۔ توریت (تکوین ۳:۷) میں انجیر کے پتوں کا ذکر ہے۔ یہ وہ زوال ہے جس کی طرف ہم نے آغازِ کلام میں اشارہ کیا تھا۔

(۵) نافرمانی اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی خفت اس طرح زائل ہوئی کہ حضرت آدمؑ اور حواؑ نے صدقِ دل سے توبہ کی' اپنے گناہ کا اعتراف کیا تو اللہ تعالیٰ نے دونوں کو نہ صرف معاف کیا بلکہ بنی نوعِ انسان کی ہدایت کے لیے چن لیا اور پھر اس مقصد کے لیے انہیں اس دنیا میں اُتار دیا' جہاں اس عروج و زوال کی داستان اب بنی آدم سے متعلق ہوگئی کہ جس کی تین اور مثالیں سورۃ التین کی زینت بنیں۔

البتہ جن لوگوں کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی اور وہ ذلت وخواری کے گڑھے میں گرے رہنے کو ترجیح دیتے ہیں' ان کے بارے میں مندرجہ بالا آیات کے فوراً بعد ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ یُؤْمِنْۢ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾﴾

''اور جو میری یاد سے منہ موڑے گا تو اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کے دن ہم اُسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا: اے میرے پروردگار! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا' حالانکہ میں (دنیا میں) آنکھوں والا تھا؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: جس طرح ہماری آیات تمہارے پاس آئیں تو تو نے انہیں بھلا دیا تھا' اسی طرح آج تو بھی بھلا دیا جائے گا۔ اور جو شخص بھی حد سے بڑھ جائے اور اپنے پروردگار کی آیات پر ایمان نہ لائے ہم اسے اسی طرح سزا دیں گے۔ اور آخرت کا عذاب تو شدید اور باقی رہنے والا ہے۔''

ان چار آیات سے یہ باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) اللہ کے ذکر میں قرآن' نماز' تسبیحات سب داخل ہیں' اور ان سے منہ پھیرنے والے کے لیے دو طرح کی سزائیں بتائی گئیں۔ زندگی تنگ کر دی جائے گی' مال ہوگا لیکن قناعت نہ ہوگی' کثرتِ مال کی بنا پر اتنے بکھیڑے اُٹھ کھڑے ہوں گے کہ جان عذاب میں رہے گی۔

ایک دوسرا مطلب یہ بھی لیا گیا ہے کہ برزخ کی زندگی میں تنگی محسوس ہوگی اور اس سے مراد قبر کا بھینچا جانا اور عذابِ قبر ہے۔

دوسری سزا یہ کہ روزِ محشر میں اندھا بنا کر اٹھایا جائے گا' یہ ''جیسی کرنی ویسی بھرنی'' کا مصداق ہوگا۔ دنیا میں حق کو دیکھنے اور پرکھنے کے وقت یہ شخص اندھا بن جاتا تھا اس لیے آخرت میں جب اٹھایا جائے گا تو اندھا ہوگا' تاکہ اسے اس حقیقت کا احساس ہو سکے کہ جس طرح اللہ کی آیات کے ساتھ اس نے اندھے پن کا مظاہرہ کیا ویسے اللہ سے ملاقات کے وقت وہ اندھا کر دیا جائے گا۔ یہ آخرت کے احوال میں سے ایک حالت کا بیان ہوا ہے' بعد میں اس شخص کو آخرت کی ہولناکیاں دیکھنے کے لیے بینا کر دیا جائے گا۔

انجیر کے بعد زیتون کی قسم کھائی ہے۔ جس طرح انجیر کے بیان سے جنت میں ہونے والے ایک خاص واقعے کی یاددہانی مقصود تھی تاکہ اس سے انسان کی فطرت اور پھر فطرت کے بگاڑ سے پیدا ہونے والی ذلت ونکبت کا اظہار ہو سکے اسی طرح زیتون کے ذکر سے دورِ عیسوی میں ان دونوں صورتوں کے اظہار کا ایک واقعہ یاد دلایا جا رہا ہے۔ زیتون سے مراد کوہِ زیتون ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگردوں سے کئی دفعہ خطاب کیا۔ حوالے کے لیے ملاحظہ ہو: متی باب ۲۱ اور ۲۴' ۲۶۔ لوقا باب ۲۲' مرقس باب ۱۴ اور ۲۲۔

زیتون سے مراد ارضِ فلسطین ہے جہاں زیتون کثرت سے پیدا ہوتا ہے' جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی وحدانیت کی دعوت دی۔ اناجیل میں کوہِ زیتون کا بھی ذکر ملتا ہے' جہاں حضرت عیسیٰ اکثر وعظ کیا کرتے تھے۔ انجیل متی کے چوتھے باب میں ذکر کیا گیا کہ:

> ''پھر ابلیس حضرت عیسیٰ کو ایک اونچے پہاڑ پر لے گیا اور انہیں تمام ممالک اور ان کی رونقیں دکھائیں اور پھر کہا: یہ سب ممالک میں تمہیں عطا کر دوں گا اگر تم زمین پر گر پڑو اور مجھے سجدہ کر لو' اور پھر عیسیٰ مسیحؑ نے کہا: دفع ہوا ے شیطان' کیونکہ یہ لکھا جا چکا ہے کہ تم صرف اپنے رب کو جو تمہارا الٰہ ہے سجدہ کرو گے اور صرف اسی کی عبادت کرو گے۔ پھر ابلیس نے انہیں چھوڑ دیا تو پھر فرشتے حاضر ہوئے اور ان کی خدمت بجالائے۔'' (آیات ۴۔۱۱)

پانچویں باب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پہاڑ پر جانا اور اپنے شاگردوں سے ایک طویل خطاب کا ذکر کیا گیا ہے جس میں حکمت ودانائی کی بے شمار باتیں ہیں' جو ساتویں باب تک بیان ہوتی چلی گئی ہیں' چند ایک کا ذکر کرتا ہوں:

☆ تم زمین کا نمک ہو اور اگر نمک ہی خراب ہو جائے تو پھر (اپنے کھانے میں) نمک کہاں سے لاؤ گے؟'' (۱۲)

☆ ''یہ نہ سمجھو کہ میں ناموس یا انبیاء (کے پیغام) کو توڑنے کے لیے آیا ہوں۔ نہیں! میں توڑنے کے لیے نہیں بلکہ تکمیل کے لیے آیا ہوں'' (۱۷)

☆ تم نے سنا ہوگا کہ پہلوں کو کہا گیا تھا کہ قتل نہ کرو اور جو قتل کرے گا سزا کا مستحق ہوگا' لیکن میں کہتا ہوں کہ جو بھی اپنے بھائی پر ناجائز غصہ کرتا ہے وہ سزا کا مستحق ہے۔'' (۲۱)

☆ تم نے سنا ہوگا کہ پہلوں سے کہا گیا تھا کہ زنا نہ کرو' لیکن میں کہتا ہوں کہ جو شخص بھی کسی عورت کی طرف بنظرِ شہوت دیکھتا ہے تو وہ دل میں اس کے ساتھ زنا کا ارتکاب کرتا ہے۔'' (۲۷)

☆ کہا گیا کہ جو شخص اپنی بیوی کو طلاق دے تو اسے طلاق کی تحریر دے' لیکن میں کہتا ہوں کہ جو شخص سوائے زنا کے کسی اور سبب سے اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے' وہ اس سے زنا کرواتا ہے۔'' (۳۱)

☆ اسی طرح تم نے سنا کہ پہلوں کو کہا گیا تھا کہ بدعہدی نہ کرو‘ اپنے رب کی قسم کو پورا کرو‘ لیکن میں کہتا ہوں کہ سرے سے قسم نہ کھاؤ‘ نہ آسمان کی‘ نہ زمین کی‘ نہ یروشلم کی‘ نہ اپنے سر کی‘ صرف ہاں کہو یا نہ کہو۔‘‘ (۳۳)

☆ تم نے سنا کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت‘ لیکن میں کہتا ہوں کہ بدی کا مقابلہ نہ کرو بلکہ اگر کوئی تمہارے دائیں رخسار پر طمانچہ مارے تو بایاں رخسار بھی اس کے آگے کر دو۔ جو آدمی تم سے جھگڑا کرے‘ اور تمہارا کپڑا چھیننا چاہے تو اپنی چادر بھی اس کے لیے چھوڑ دو۔ جو تمہیں ایک میل تک بیگار میں لے جائے تو اُس کے ساتھ دو میل چلتے جاؤ۔ جو تم سے سوال کرے اسے دو اور جو تم سے قرض مانگے تو اس کو انکار نہ کرو۔‘‘ (۳۸۔۴۲)

☆ تم نے سنا کہ کہا گیا تھا کہ اپنے رشتے دار سے محبت رکھو اور اپنے دشمن سے بغض رکھو۔ میں کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور جو تم پر لعنت بھیجے تم اس پر برکت کی دعا کرو۔‘‘ (۴۴۔۴۵)

آٹھویں باب کے آخر میں حضرت مسیحؑ کے یہ اقوال منقول ہیں:

☆ ہر وہ شخص جو میری یہ باتیں سنتا ہے اور ان پر عمل کرتا ہے‘ میں اُسے اُس شخص کی مانند سمجھتا ہوں جس نے چٹان پر اپنا گھر بنایا‘ پھر بارش ہوئی‘ نہریں بہہ پڑیں‘ آندھیاں چلیں اور اس گھر سے ٹکرائیں‘ لیکن یہ گھر اپنی جگہ کھڑا رہا‘ کیونکہ وہ ایک چٹان پر قائم تھا۔

☆ اور ہر وہ شخص جو میری یہ باتیں سنتا ہے اور ان پر عمل نہیں کرتا ہے‘ میں اُسے اُس جاہل شخص کی مانند سمجھتا ہوں جس نے ریت پر اپنا گھر بنایا‘ پھر بارش ہوئی‘ نہریں بہہ پڑیں اور آندھیاں چلیں اور اس گھر سے ٹکرائیں تو وہ بری طرح زمین بوس ہو گیا۔‘‘ (باب ۷‘ آیات ۲۴۔۲۷)

اب ان تعلیماتِ مسیح کو دیکھئے‘ جس کی ابتدا توحید سے ہوتی ہے اور پھر اخلاقِ عالیہ اور صفاتِ فاضلہ کا تذکرہ ہے۔ یہ وہ عروج اور رفعت ہے جو مسیحؑ کی زبان سے اپنی قوم کے لیے ایک پیغام تھا۔ لیکن قوم نے اس کا کیسے جواب دیا؟ سینٹ پال نے ایک قلیل عرصہ میں توحید کے اس پیغام کو تثلیث میں بدل کر رکھ دیا‘ توحیدِ الٰہی کی جگہ شرک نے لے لی۔ گویا پیروانِ مسیحؑ توحید کے مقامِ عالی سے شرک کی پستیوں میں گرتے چلے گئے۔ اسی بات کو قرآن نے یوں بیان کیا:

﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ﴿۳۱﴾﴾ (الحج)

’’اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا تو وہ ایسے ہے جیسے وہ آسمان سے گرے پھر اسے پرندے اُچک لے جائیں یا ہوا اسے کسی دور دراز مقام میں لے جا کے پھینک دے۔‘‘

عروج اور سقوط کے حوالے سے ایک بات تو یہ ہوئی‘ دوسرے اس بات کی طرف بھی ذہن جاتا ہے کہ تمام پھلوں میں یہاں صرف انجیر اور زیتون کا تذکرہ ہے تو اس میں بھی کوئی حکمت ہے؟ انجیر شروع سے آخر تک حلاوت اور شفافیت کی علامت ہے جبکہ زیتون کی ابتدا تلخ ہے جو عمل اصلاح کے بعد قابلِ استعمال ہونے اور مفید اور مُقوّیٔ غذا بننے کی علامت ہے: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ﴿۶﴾﴾

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے: انجیر کے بارے میں ایک حدیث مروی ہے' حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک تھالی انجیر بطور ہدیہ پیش کی گئی' آپ نے اہلِ مجلس سے فرمایا: کھاؤ! اور خود بھی آپؐ نے کھایا اور فرمایا: ''اگر یہ کہوں کہ جنت سے کوئی پھل اترا ہے تو وہ یہی پھل ہوسکتا ہے' کیونکہ جنت کے پھلوں میں گٹھلی نہ ہوگی۔ اسے کھاؤ کیونکہ یہ بواسیر کو ختم کرتی ہے اور نقرس (گنٹھیا) میں مفید ہے'' (الدیلمی' ابن السنی' ابونعیم: سند کے اعتبار سے ضعیف حدیث ہے۔)

اس کا گودا عمدہ ہوتا ہے' ذائقہ میٹھا ہے۔ تمام پھلوں سے زیادہ اس میں غذائیت پائی جاتی ہے۔ بدن کو شاداب بناتی ہے' اس کے استعمال سے اعصاب میں قوت آتی ہے (بحوالہ طب نبوی) قبض کو دور کرتی ہے۔ جگر کے لیے مصلح ہے اور خون کی نالیوں میں دوران کو درست کرتی ہے۔ ابن البیطار نے انجیر کو مقوی' دافع قبض قرار دیا ہے۔ ان کی رائے میں انجیر کی ساخت میں دودھ کی شکل کا ایک سیال ہوتا ہے جو طبی طور پر قبض کشا ہے (بحوالہ علاج نبوی اور جدید سائنس)

زیتون کی افادیت کے بارے میں دو صحیح احادیث ملاحظہ ہوں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''روغن زیتون کھاؤ اور اس کو لگاؤ' اس لیے کہ یہ ایک مبارک درخت سے حاصل کیا جاتا ہے۔'' (ترمذی' ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی مرفوعاً روایت ہے:

''روغن زیتون کو بطور سالن استعمال کرو اور اس کا روغن لگاؤ۔ اس لیے کہ یہ ایک مبارک درخت سے حاصل ہوتا ہے۔'' (ابن ماجہ' مصنف عبدالرزاق)

قرآن مجید میں اسے ''شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَة'' سے یاد کیا گیا ہے۔

ایسے درد جو کسی دوا سے نہ جاتے ہوں (خاص طور پر چوٹ کا درد) اس کے لیے زیتون کے تیل کی مالش بہت مفید ہے۔ (بحوالہ سنت نبوی اور جدید سائنس)

لیکن کیا زیتون انجیر کی مانند درخت سے توڑ کر فوراً کھایا جاسکتا ہے؟ راقم الحروف نہ ہی حکیم ہے اور نہ ہی باغبانی سے شغف رکھتا ہے کہ اسے ان باتوں کا علم ہو۔ زندگی میں پہلی مرتبہ بیت المقدس کی زیارت کے موقع پر حرم مسجد اقصیٰ کے احاطے میں زیتون کے درخت دیکھے تو ایک دانہ توڑ کر وفورِ شوق سے منہ میں ڈالا' لیکن اسے اتنا تلخ پایا کہ اگلتے بنی' سوچا: یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے' ہم بازار سے جو زیتون لے کر آتے ہیں اسے تو بہت شوق سے کھاتے ہیں کہ ذائقہ بھلا لگتا ہے۔ پھر میں نے اس بات کا ذکر مفتی فلسطین شیخ عکرمہ صبری سے کیا تو انہوں نے بتایا کہ درخت سے اترا ہوا زیتون کھانے کے قابل نہیں ہوتا' بلکہ اس میں سرکے' پانی' نمک اور چینی کی آمیزش کی جاتی ہے تاکہ اس کی تلخی دور ہو اور کھانے کے قابل ہو۔ اور یہی اس مبحث میں ہمارا مدعا اور مقصود ہے کہ زیتون اصلاً ایک مفید پھل ہے لیکن جب تک اس کی ''اصلاح'' نہ ہو جائے وہ اتنا ذائقہ نہیں دیتا۔ گویا انجیر فطرتِ انسانی کی حلاوت اور شفافیت کا عنوان ہے تو زیتون اس بات کی نشاندہی کر رہا ہے کہ اس فطرت میں اگر کجی آ جائے تو پھر وہ قابل اصلاح ہے' یعنی تجدید ایمان اور عمل صالح اسے اپنے اصلی مقام پر دوبارہ لوٹا دیتے ہیں۔ اور یہی

موضوع ہے سورۃ التین کا۔

اگلی قسم ہے: ﴿وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝۲﴾ بمعنی قسم ہے طورِ سیناء کی۔ کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا ہم کلام ہونا اور احکامِ عشرہ عطا کرنا' رفعت اور عروج کی علامت ہے' اور آپ کی غیر حاضری میں سامری کا سونے کا بچھڑا بنانا اور بنی اسرائیل کو شرک کی دعوت دینا علامت ہے پستی کے گڑھے میں گرنے کی۔ ہم اس اجمال کی مختصر سی تشریح تورات اور قرآن کی آیات کی روشنی میں بیان کریں گے۔

تورات کی کتاب خروج کے بیسویں باب میں وہ احکامِ عشرہ بیان ہوئے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عنایت کیے تھے۔ ان میں سے پہلے تین کا تعلق خالص توحید سے ہے۔

(۱) میں تمہارا معبود رب ہوں جس نے تمہیں مصر کی غلامی کی زندگی سے آزادی عطا کی' میرے سامنے دوسرے دیوتا نہ بنانا۔

(۲) جو کچھ تمہارے اوپر آسمان میں ہے یا تمہارے نیچے زمین میں ہے یا زمین سے بھی نیچے پانی میں ہے اس کی تصویر نہ بنانا اور نہ ہی کسی بت کا ڈھانچہ بنانا۔ نہ انہیں سجدہ کرنا اور نہ ہی ان کی عبادت کرنا۔

(۳) اپنے معبود رب کے نام سے کوئی ناحق بات نہ کہنا' کیونکہ رب اسے معاف نہیں کرتا جو اس کے نام سے ناحق بات کرتا ہے۔

باقی سات اوامر کا تعلق سبت کے احترام' ماں باپ کے اکرام' قتل' زنا' چوری' جھوٹی گواہی سے پرہیز اور اپنے رشتہ دار کی بیوی' غلام' حیوانات اور دیگر مملوکہ چیزوں کی طرف نظر نہ اٹھانے سے متعلق تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب تورات کی یہ دو تختیاں لے کر جبل طور سے نیچے آئے ہیں تو ایک عجیب ماجرا دیکھا۔ آپ چونکہ چالیس دن کی غیر حاضری کے بعد آئے تھے اس لیے بنی اسرائیل کے ایک سرکردہ شخص سامری نے (نہ کہ ہارون علیہ السلام نے جیسا کہ تورات کا بیان ہے) اسرائیلیوں کے سونے کے زیورات جمع کر کے اور پھر انہیں آگ میں تپا کر اور پگھلا کر ایک بچھڑے کی شکل دے دی تھی اور پھر انہیں یہ باور کرایا کہ یہی تمہارا اور موسیٰ کا اِلٰہ ہے۔ اور یوں اس موحد قوم کو شرک کی نجاست میں دھکیل دیا۔ سورۂ طٰہٰ کی آیت ۸۶ سے لے کر آیت ۹۸ تک یہ قصہ بیان کیا گیا ہے اور سورۃ البقرۃ کی آیت ۵۴ میں اُن لوگوں کے قتل کا حکم دیا گیا ہے جو گوسالہ پرستی کے گناہ میں ملوث رہے تھے۔ اس تفصیل سے ہمارا مدعا ظاہر ہو جاتا ہے کہ انسان حالت توحید میں اَحسن تقویم (بہترین ساخت) کے مرتبہ پر فائز ہوتا ہے اور اگر وہ شرک میں ملوث ہو جائے تو پھر اسفل سافلین میں جا گرتا ہے' اور اس قعرِ مذلّت سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ ایمان کی تجدید کی جائے اور عمل صالح کو اختیار کیا جائے۔

چوتھی قسم بلد امین (یعنی مکہ مکرمہ) کی کھائی گئی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے یہ شہر امن کا گہوارہ بنا اور بلد امین کہلایا۔ (البقرۃ: ۱۲۵)

اب دیکھئے کہ اس گھر کی ابتدا ہی توحید کی آبیاری کے لیے ہوئی:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۹۶﴾ (آل عمران)

''بلاشبہ سب سے پہلا گھر (عبادت گاہ) جو لوگوں کے لیے تعمیر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے' اس گھر کو

برکت دی گئی اور تمام جہان والوں کے لیے اسے مرکز ہدایت بنایا گیا۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلی ہدایت ہی توحید الٰہی کے بارے میں تھی:

﴿وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿٢٦﴾﴾ (الحج)

''اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے ابراہیمؑ کے لیے بیت الحرام کی جگہ تجویز کی تھی اور (انہیں کہا تھا کہ) میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنانا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں' قیام کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے صاف ستھرا رکھنا۔''

اس دعوتِ توحید کو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے قائم ودائم رکھا اور پھر مرورِ زمانہ سے جزیرۂ عرب کے عربوں کے ہاتھوں اس پاکیزہ گھر کو شرک سے آلودہ کر دیا گیا۔ جہاں ایک اللہ کی عبادت ہوتی تھی وہاں تین سو ساٹھ بتوں نے جگہ لے لی۔ جس گھر کی ابتدا احسن تقویم سے ہوئی تھی وہاں اب اسفل سافلین کا دور دورہ تھا۔ انسانیت کو اس ذلت کی گہرائی سے نکالنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر ایک خصوصی اہتمام کیا۔ گویا ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ کا ایک بھرپور عملی مظاہرہ نبوتِ محمدی کے دور میں ہونے والا تھا۔ ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوتے ہی سارے بت پاش پاش کر دیے گئے اور شرک کی مکمل بیخ کنی کر دی گئی۔ توحید کا پرچم ایک مرتبہ پھر سرزمین مکہ میں لہرایا۔

یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سورۃ التین کے مضمون کا بھرپور مظاہرہ چوتھی قسم (وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ) کے حوالہ سے منظر عام پر آیا اور یہ اصل اصول طے پا گیا کہ فطرتِ انسانی کی اعلیٰ معراج توحید ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ توحید سے انحراف اور شرک کا ارتکاب اپنے آپ کو انتہائی پستی میں دھکیلنا ہے کہ جس کا انجام بہت بھیانک ہوگا' لیکن اللہ تعالیٰ نے شرک کی ذلت سے نکلنے کا راستہ بھی دکھا دیا ہے جو تجدیدِ توبہ' تجدیدِ ایمان اور عملِ صالح کا راستہ ہے' اور جو لوگ صدق دل سے اس راستے کو اختیار کر لیتے ہیں ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر وثواب ہے' یہ اجر وثواب جس کا فیصلہ کرنے والا صرف اللہ ہے۔ اس لیے سورت کا اختتام بھی ان کلمات پر ظاہر ہوتا ہے۔

﴿فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ﴿٧﴾﴾

''تو پھر اس کے بعد کون سی چیز تمہیں جزا وسزا سے انکار پر ابھارتی ہے؟''

﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٨﴾﴾

''کیا اللہ سب حاکموں میں سے سب سے بڑا حاکم نہیں؟''

نوٹ: آیت ''احسن تقویم'' کا اس سورت کے مرکزی مضمون ہونے کا تصور' میں نے ایک اُردنی عالم کے مختصر سے رسالہ میں پڑھا تھا۔ یہ رسالہ تلاش بسیار کے باوجود دوبارہ ہاتھ نہ آیا۔ میں نے اپنی یادداشت سے ان خطوط کو مزید وسعت دی ہے جو مؤلف نے اپنے مضمون میں قلم بند کیے تھے۔ بہرحال اس سورت کے معانی و مفہوم کو سمجھنے کا یہ ایک پہلو ہے' اور وہ دیگر پہلو جن کی طرف مولانا حمید الدین فراہی اور ان کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی نے اشارہ کیا ہے وہ انتہائی افادیت کے حامل ہیں۔ ❁❁❁

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم

ترتیب وتدوین: لطف الرحمٰن خان

سورۃ المائدۃ

آیات ۲۰ تا ۲۶

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَجَعَلَكُمْ
مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۰﴾ یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ
كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا
جَبَّارِیْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ
رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ
غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَی اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا
دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا
نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ
سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾ ع

ج ب ر

جَبَرَ یَجْبُرُ (ن) جَبْرًا : (۱) زبردستی یا دباؤ سے کسی چیز کی اصلاح کرنا۔ جیسے ٹوٹی ہوئی ہڈی جوڑنا۔ اللہ تعالیٰ کی صفت الجبار اسی معنی میں ہے۔ (۲) کسی کو اس کی مرضی کے خلاف کام پر مجبور کرنا' زبردستی کرنا' بندوں کی صفت عموماً اسی معنی میں آتی ہے۔

جَبَّارٌ (فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ) : (۱) بار بار اور کثرت سے اصلاح کرنے والا۔ (۲) بار بار اور کثرت سے زبردستی کرنے والا' زبردست' طاقتور۔ آیت زیر مطالعہ۔

ت ی ہ

تَاہَ یَتِیْہُ (ض) تَیْھًا :راستے سے بھٹک جانا' سرگرداں پھرنا۔آیت زیر مطالعہ۔

ء س و

اَسَا یَاْسُوْ (ن) اَسْوًا :مایوسیوں کا علاج کرنا' کسی کو کسی کے لیے نمونہ بنانا۔

اُسْوَۃٌ :وہ چیز جس سے تسلی حاصل کی جائے' نمونہ۔﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:۲۱) ''بے شک ہو چکا ہے تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بھلائی والا ایک نمونہ۔''

اَسٰی یَاْسٰی (س) اَسًی: مایوس ہونا' افسوس کرنا۔﴿فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ۝۹۳﴾ (الاعراف) ''پھر کیسے میں افسوس کروں ایک کافر قوم پر۔''

لَا تَاْسَ (فعل نہی) :تو افسوس مت کر' تو مایوس مت ہو۔آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

''یٰقَوْمِ'' دراصل ''یٰقَوْمِیْ'' ہے۔''لَا تَرْتَدُّوْا'' کے لائے نہی پر عطف مانیں تو ''فَتَنْقَلِبُوْا'' مجزوم ہے اور ''فَا'' کو سببیہ مانیں تو یہ حالت نصب میں ہے۔ ہماری ترجیح ہے کہ اسے ''فَا'' سببیہ مانا جائے۔''اِنَّ'' کا اسم ''قَوْمًا جَبَّارِیْنَ'' ہے' اس کی خبر محذوف ہے اور ''فِیْھَا'' قائم مقام خبر ہے۔''رَبِّ'' بھی دراصل ''رَبِّیْ'' ہے۔''اَرْبَعِیْنَ'' ظرف ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔''سَنَۃً'' اس کی تمیز ہے۔

ترجمہ:

وَاِذْ قَالَ :اور جب کہا	مُوْسٰی :موسیٰ نے
لِقَوْمِہٖ :اپنی قوم سے	یٰقَوْمِ :اے میری قوم!
اذْکُرُوْا :تم یاد کرو	نِعْمَۃَ اللّٰہِ :اللہ کی نعمت کو
عَلَیْکُمْ :اپنے اوپر	اِذْ جَعَلَ :جب اُس نے بنائے
فِیْکُمْ :تم میں سے	اَنْبِیَآءَ :انبیاء
وَجَعَلَکُمْ :اور بنایا تم کو	مُّلُوْکًا :بادشاہ
وَّاٰتٰکُمْ :اور اُس نے دیا تم کو	مَّا :وہ' جو
لَمْ یُؤْتِ :اُس نے نہیں دیا	اَحَدًا :کسی ایک کو
مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ :تمام جہانوں میں سے	یٰقَوْمِ :اے میری قوم
ادْخُلُوا :تم داخل ہو جاؤ	الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَۃَ :پاک کی ہوئی زمین میں
الَّتِیْ :جس کو	کَتَبَ :لکھا
اللّٰہُ :اللہ نے	لَکُمْ :تمہارے لیے
وَلَا تَرْتَدُّوْا :اور مت پھر جانا	عَلٰٓی اَدْبَارِکُمْ :اپنی پیٹھوں پر

فَتَنْقَلِبُوْا :ورنہ ہو جاؤ گے
قَالُوْا:انہوں نے کہا
اِنَّ : کہ
قَوْمًا جَبَّارِيْنَ :ایک زبردست قوم
لَنْ نَّدْخُلَهَا:ہرگز داخل نہیں ہوں گے اس میں
يَخْرُجُوْا :وہ نکلیں
فَاِنْ: پھر اگر
مِنْهَا :اس سے
دٰخِلُوْنَ: داخل ہونے والے ہیں
مِنَ الَّذِيْنَ :ان میں سے جو
اَنْعَمَ :انعام کیا
عَلَيْهِمَا :جن پر
عَلَيْهِمُ :ان پر
فَاِذَا : پھر جب
فَاِنَّكُمْ :تو یقیناً تم
وَعَلَى اللّٰهِ :اور اللہ پر ہی
اِنْ كُنْتُمْ :اگر تم لوگ
قَالُوْا :انہوں نے کہا
اِنَّا : کہ ہم
اَبَدًا :کبھی بھی
فِيْهَا :اس میں
اَنْتَ : آپؑ
فَقَاتِلَآ : پھر آپ دونوں جنگ کریں
هٰهُنَا : یہیں
قَالَ : کہا (موسیٰ نے)
اِنِّيْ : کہ میں
اِلَّا :سوائے
وَاَخِيْ :اور اپنے بھائی کے

خٰسِرِيْنَ :نقصان اٹھانے والے
يٰمُوْسٰٓى :اے موسیٰ
فِيْهَا :اس میں ہے
وَاِنَّا :اور ہم
حَتّٰى : یہاں تک کہ
مِنْهَا :اس سے
يَّخْرُجُوْا:وہ نکلیں
فَاِنَّا :تو ہم
قَالَ رَجُلٰنِ : کہا دو مَردوں نے
يَخَافُوْنَ :ڈرتے ہیں (اللہ سے)
اللّٰهُ :اللہ نے
ادْخُلُوْا :(کہ) داخل ہو جاؤ
الْبَابَ :دروازے سے
دَخَلْتُمُوْهُ :تم داخل ہو گے اس سے
غٰلِبُوْنَ :غلبہ پانے والے ہو گے
فَتَوَكَّلُوْٓا :پس تم بھروسہ کرو
مُّؤْمِنِيْنَ :مؤمن ہو
يٰمُوْسٰٓى :اے موسیٰ
لَنْ نَّدْخُلَهَآ: ہم ہرگز داخل نہیں ہوں گے اس میں
مَّا دَامُوْا :جب تک وہ رہیں گے
فَاذْهَبْ :پس جائیں
وَرَبُّكَ :اور آپؑ کا رب
اِنَّا :بے شک ہم
قٰعِدُوْنَ :بیٹھنے والے ہیں
رَبِّ :اے میرے رب
لَآ اَمْلِكُ :اختیار نہیں رکھتا
نَفْسِيْ :اپنی جان
فَافْرُقْ :پس تو جدائی ڈال دے

بَيْنَنَا : ہمارے درمیان
وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ : اور نافرمانی کرنے والی قوم کے درمیان
قَالَ : کہا (اللہ نے)
فَاِنَّهَا : تو یہ
مُحَرَّمَةٌ : حرام کی گئی ہے
عَلَيْهِمْ : ان پر
اَرْبَعِيْنَ سَنَةً : چالیس سال تک
يَتِيْهُوْنَ : یہ سرگرداں پھریں گے
فِي الْاَرْضِ : زمین میں
فَلَا تَاْسَ : تو آپؑ افسوس نہ کریں
عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ : نافرمانی کرنے والی قوم پر

نوٹ : مصر سے نکلنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی منزل فلسطین تھی۔ آپؑ جب اس کے پاس پہنچے تو دشت فاران میں قیام فرمایا اور بنی اسرائیل کے بارہ سرداروں کو وہاں کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ واپس آ کر ان سرداروں نے علاقے کی زرخیزی اور شادابی کی رپورٹ دی اور یہ بھی بتایا وہاں پر آباد لوگ بڑے قدآور اور زور آور ہیں۔ یہ سن کر بنی اسرائیل نے حوصلہ ہار دیا اور جس ملک میں آباد ہونے کے لیے یہاں تک پہنچے تھے' اس میں داخل ہونے کے بجائے پھر مصر پلٹ جانے کی باتیں کرنے لگے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو بتایا کہ یہ علاقہ اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔ بارہ میں سے دو سرداروں نے بھی ان کی ہمت بندھانے کی کوشش کی لیکن ان لوگوں نے اپنے رسول کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ (تدبر قرآن)

آیات ۲۷ تا ۳۱

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْاَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْاَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

ب ح ث

بَحَثَ يَبْحَثُ (ف) بَحْثًا : کسی چیز کو کھود کر اس میں کچھ تلاش کرنا' کریدنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ع ج ز

عَجَزَ يَعْجِزُ (ض) عَجْزًا : کسی کام کو کرنے کی قدرت نہ رکھنا' بے اختیار ہونا' عاجز ہونا۔ آیت زیر مطالعہ۔
عَجُوْزٌ (فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ) : بہت بے اختیار' بوڑھی عورت۔ ﴿ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ﴾ (ھود:۷۲)

''کیا میں جنوں گی اس حال میں کہ میں بڑھیا ہوں۔''

عُجُزٌ ج اَعْجَازٌ: کھجور کا کھوکھلا تنا۔﴿كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝۲۰﴾ (القمر) ''گویا کہ وہ کسی اکھڑی ہوئی کھجور کے تنے ہیں۔''

اَعْجَزَ (افعال) اِعْجَازًا : کسی کو بے اختیار کرنا' عاجز کرنا۔﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ﴾ (فاطر:٤٤) ''اور اللہ وہ نہیں ہے کہ اس کو بے اختیار کر دے کوئی بھی چیز۔''

مُعْجِزٌ (اسم الفاعل): بے اختیار کرنے والا' عاجز کرنے والا۔﴿وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۳۱﴾ (الانعام) ''اور تم لوگ عاجز کرنے والے نہیں ہو۔''

عَاجَزَ (مفاعلہ) مُعَاجَزَةً: کسی کو ہرانے کی کوشش کرنا' مسابقت کرنا۔

مُعَاجِزٌ (اسم الفاعل) : ہرانے کی کوشش کرنے والا' آگے نکلنے کی کوشش کرنے والا۔﴿وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ﴾ (الحج:٥١) ''اور وہ لوگ جنہوں نے بھاگ دوڑ کی ہماری نشانیوں میں ہرانے والا ہوتے ہوئے۔''

ن د م

نَدَمَ يَنْدِمُ (س) نَدَمًا :پشیمان ہونا' شرمندہ ہونا۔

نَادِمٌ (اسم الفاعل) :پشیمان ہونے والا۔آیت زیر مطالعہ

نَدَامَةٌ (اسم ذات): پشیمانی' شرمندگی۔﴿وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ﴾ (یونس:٥٤) ''اور چھپائیں گے پشیمانی کو جب وہ لوگ دیکھیں گے عذاب۔''

ترکیب

''نَبَاَ'' کا مضاف الیہ ''اِبْنَيْنِ'' تھا جو آگے ''اٰدَمَ'' کا مضاف بنا تو اس کا نون گر گیا۔''بِبَاسِطٍ'' اسم الفاعل ہے۔اس نے فعل کا عمل کیا ہے اور اس کا مفعول ''يَدًا'' تھا۔یائے متکلم اس کا مضاف الیہ ہے اس لیے ''يَدًا'' کی تنوین ختم ہوئی اور ''يَدِيَ'' استعمال ہوا۔''بِاِثْمِيْ'' کی ''بَا'' پر عطف ہونے کی وجہ سے ''اِثْمِكَ'' حالتِ جر میں آیا ہے۔''فَطَوَّعَتْ'' کا فاعل ''نَفْسُهٗ'' ہے۔''غُرَابًا'' نکرہ مخصوصہ ہے اور ''يَبْحَثُ فِي الْاَرْضِ'' اس کی خصوصیت ہے۔''لِيُرِيَهٗ'' میں ضمیر فاعلی اسم جلالہ (اللہ) کے لیے ہے اور ضمیر مفعولی قاتل کے لیے ہے۔''هٰذَا الْغُرَابِ'' مرکب اشاری ''مِثْلَ'' کا مضاف الیہ ہے اس لیے ''اَلْغُرَابِ'' حالت جر میں آیا ہے جبکہ ''مِثْلَ'' کی نصب ''اَكُوْنَ'' کی خبر ہونے کی وجہ سے ہے۔''فَاُوَارِيَ'' کا ''فَا'' سببیہ ہے جس نے مضارع ''اُوَارِيْ'' کو نصب دی ہے۔

ترجمہ:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ :اور آپؐ پڑھ کر سنائیں ان لوگوں کو	نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ :حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کی خبر

بِالْحَقِّ :حق کے ساتھ
قَرَّبَا :ان دونوں نے پیش کی
فَتُقُبِّلَ :تو قبول کی گئی
وَلَمْ يُتَقَبَّلْ :اور نہیں قبول کی گئی
قَالَ:اس نے کہا
قَالَ :اس نے کہا
يَتَقَبَّلُ:قبول کرتا ہے
مِنَ الْمُتَّقِيْنَ :تقویٰ کرنے والوں سے
بَسَطْتَّ:تو بڑھائے گا
يَدَكَ :اپنا ہاتھ
مَآ اَنَا :تو میں
يَّدِيَ :اپنا ہاتھ
لِاَقْتُلَكَ: کہ میں قتل کروں تجھ کو
اَخَافُ :ڈرتا ہوں
رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ : جو تمام عالموں کا پرورش کرنے والا ہے
اُرِيْدُ:چاہتا ہوں
تَبُوْٓاَ :تو لوٹے
وَاِثْمِكَ :اور اپنے گناہ کے ساتھ
مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ :آگ والوں میں سے
جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ:ظلم کرنے والوں کا بدلہ ہے
لَهٗ :اس کو
قَتْلَ اَخِيْهِ :اپنے بھائی کے قتل پر
فَاَصْبَحَ :نتیجتاً وہ ہو گیا
فَبَعَثَ: پھر بھیجا
غُرَابًا :ایک ایسا کوا
فِي الْاَرْضِ :زمین میں
كَيْفَ :(کہ) کیسے

اِذْ :جب
قُرْبَانًا :ایک قربانی
مِنْ اَحَدِهِمَا :ان دونوں کے ایک سے
مِنَ الْاٰخَرِ :دوسرے سے
لَاَقْتُلَنَّكَ :میں لازماً قتل کروں گا تجھ کو
اِنَّمَا : کچھ نہیں سوائے اس کے کہ
اللّٰهُ :اللہ
لَئِنْ :البتہ اگر
اِلَيَّ :میری طرف
لِتَقْتُلَنِيْ :تا کہ تو قتل کرے مجھ کو
بِبَاسِطٍ :بڑھانے والا نہیں ہوں
اِلَيْكَ :تیری طرف
اِنِّيْٓ :بے شک میں
اللّٰهَ :اللہ سے
اِنِّيْٓ :بے شک میں

اَنْ :کہ
بِاِثْمِيْ :میرے گناہ کے ساتھ
فَتَكُوْنَ :نتیجتاً تو ہو جائے
وَذٰلِكَ :اور یہ (ہی)
فَطَوَّعَتْ : پس راضی کیا
نَفْسُهٗ :اس کے نفس نے
فَقَتَلَهٗ :تو اُس نے قتل کیا اس کو
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ:خسارہ اٹھانے والوں میں سے
اللّٰهُ :اللہ نے
يَّبْحَثُ :جو کریدتا ہے
لِيُرِيَهٗ :تا کہ وہ (یعنی اللہ) دکھائے اس کو
يُوَارِيْ :وہ چھپائے

سَوْءَةَ اَخِيْهِ : اپنے بھائی کی لاش کو | قَالَ : اُس نے کہا
يٰوَيْلَتٰى : ہائے میری بدبختی | اَ : کیا
عَجَزْتُ : میں عاجز ہوا | اَنْ : (اس سے بھی) کہ
اَكُوْنَ : میں ہوتا | مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ : اس کوے کے جیسا
فَاُوَارِيَ : تو میں چھپاتا | سَوْءَةَ اَخِيْ : اپنے بھائی کی لاش کو
فَاَصْبَحَ : پھر وہ ہو گیا | مِنَ النّٰدِمِيْنَ : پشیمان ہونے والوں میں سے

نوٹ ۱ : قرآن کریم کوئی قصہ کہانی یا تاریخ کی کتاب نہیں ہے‘ اس لیے اس میں کسی واقعہ کو تفصیلات کے ساتھ اوّل سے آخر تک بیان نہیں کیا جاتا۔ البتہ ہدایت کے لیے گزشتہ اقوام کی سرگزشت میں عبرت اور نصیحت کے پہلو کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ اس لیے قرآن کا عام اسلوب یہ ہے کہ اکثر پورا واقعہ ایک جگہ بیان نہیں کرتا‘ بلکہ اس کے جتنے حصے سے اس جگہ کی نصیحت کا تعلق ہوتا ہے‘ اس کا وہی حصہ بیان کرتا ہے (معارف القرآن)۔ اس لیے قرآن مجید کا مطالعہ کرنے والوں کے حق میں مفید بات یہ ہے کہ وہ ان تفصیلات کی تلاش میں کو ملبس نہ بنیں جنہیں قرآن مجید نے نظر انداز کر دیا ہے اور اپنی توجہ کو مقصودِ کلام پر مرتکز کریں‘ ورنہ ہدایت سے محرومی کا اندیشہ ہے۔

نوٹ ۲: قابیل کو یہ جان کر کہ اس کی قربانی قبول نہیں ہوئی ہابیل پر غصہ آیا کہ اس کی قربانی کیوں قبول ہوئی۔ حالانکہ اس کی قربانی قبول نہ ہونے میں ہابیل کا کوئی دخل نہیں تھا بلکہ قصور اس کا اپنا تھا۔ لیکن جب آدمی پر حسد کا دورہ پڑتا ہے تو اس کو اپنی نالائقیاں نظر نہیں آتیں بلکہ وہ اپنی ناکامی کے اسباب دوسروں پر ڈالتا ہے (تدبرِ قرآن) ﴿اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ میں حاسد کے حسد کے علاج کا ذکر کیا گیا ہے کہ کسی کو جب یہ نظر آئے کہ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت عطا فرمائی ہے جو اس کو حاصل نہیں ہے تو اس کو چاہیے کہ اپنی عملی کوتاہی اور گناہوں کی اصلاح کی فکر کرے۔

آیات ۳۲ تا ۳۴

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ
فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا
بِالْبَيِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۞ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ
خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۞ اِلَّا
الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞

ن ف و

نَفَا يَنْفُوْ (ن) نَفْوًا : (۱) کسی کو کسی جگہ سے ہٹانا‘ نکالنا۔ (۲) ملک بدر کرنا (۳) قید کرنا۔ آیت زیرِ مطالعہ

ترکیب

''اَنَّهٗ'' میں ضمیر الشان ہے۔ ''فَسَادٍ'' کی جر بتا رہی ہے کہ یہ ''بِغَيْرِ'' کا دوسرا مضاف الیہ ہے۔ ''قَتَلَ'' کا مفعول ''النَّاسَ'' ہے اور ''جَمِيْعًا'' تمیز ہے۔ ''اَحْيَاهَا'' کی ضمیر ''نَفْسًا'' کے لیے ہے۔ ''اِنَّ'' کا اسم ''كَثِيْرًا مِّنْهُمْ'' ہے اور ''لَمُسْرِفُوْنَ'' اس کی خبر ہے۔

ترجمہ:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ : اس وجہ سے	كَتَبْنَا : ہم نے لکھا
عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ : بنی اسرائیل پر	اَنَّهٗ : کہ حقیقت یہ ہے کہ
مَنْ : جس نے	قَتَلَ : قتل کیا
نَفْسًا : کسی جان کو	بِغَيْرِ نَفْسٍ : کسی جان کے (بدلے کے) بغیر
اَوْ : یا	فَسَادٍ : کسی فساد کے بغیر
فِي الْاَرْضِ : زمین میں	فَكَاَنَّمَا : تو گویا
قَتَلَ : اُس نے قتل کیا	النَّاسَ : انسانوں کو
جَمِيْعًا : تمام کے تمام	وَمَنْ : اور جس نے
اَحْيَاهَا : زندہ رکھا اس کو	فَكَاَنَّمَآ : تو گویا
اَحْيَا : اُس نے زندہ رکھا	النَّاسَ : انسانوں کو
جَمِيْعًا : تمام کے تمام	وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ : اور آ چکے ہیں ان کے پاس
رُسُلُنَا : ہمارے رسول	بِالْبَيِّنٰتِ : واضح (نشانیوں) کے ساتھ
ثُمَّ : پھر	اِنَّ : بے شک
كَثِيْرًا مِّنْهُمْ : ان میں سے اکثر	بَعْدَ ذٰلِكَ : اس کے بعد
فِي الْاَرْضِ : زمین میں	لَمُسْرِفُوْنَ : یقیناً حد سے تجاوز کرنے والے ہیں
اِنَّمَا : کچھ نہیں سوائے اس کے کہ	جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ : ان لوگوں کی سزا جو
يُحَارِبُوْنَ : لڑتے ہیں	اللّٰهَ : اللہ سے
وَرَسُوْلَهٗ : اور اُس کے رسول سے	وَيَسْعَوْنَ : اور بھاگ دوڑ کرتے ہیں
فِي الْاَرْضِ : زمین میں	فَسَادًا : (حقوق و فرائض کا) توازن بگاڑنے کو
اَنْ : (یہ ہے) کہ	يُّقَتَّلُوْٓا : وہ لوگ قتل کیے جائیں
اَوْ يُصَلَّبُوْٓا : یا پھانسی دیے جائیں	اَوْ تُقَطَّعَ : یا کاٹے جائیں
اَيْدِيْهِمْ : ان کے ہاتھ	وَاَرْجُلُهُمْ : اور ان کے پیر
مِّنْ خِلَافٍ : مخالف (طرف) سے	اَوْ يُنْفَوْا : یا وہ قید کیے جائیں

مِنَ الْاَرْضِ : زمین سے (نکال کر)
لَهُمْ : ان کے لیے
فِی الدُّنْیَا : دنیا میں
فِی الْاٰخِرَةِ : آخرت میں
اِلَّا الَّذِیْنَ : سوائے ان کے جنہوں نے
مِنْ قَبْلِ : اس سے پہلے
تَقْدِرُوْا : تم لوگ قابو پاؤ
فَاعْلَمُوْٓا : پس جان لو
غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ : بخشنے والا' رحم کرنے والا ہے

ذٰلِكَ : یہ
خِزْیٌ : رسوائی ہے
وَلَهُمْ : اور ان کے لیے
عَذَابٌ عَظِیْمٌ : ایک عظیم عذاب ہے
تَابُوْا : توبہ کی
اَنْ : کہ
عَلَیْهِمْ : ان پر
اَنَّ اللّٰهَ : کہ اللہ

نوٹ ۱: اللہ اور اُس کے رسول سے لڑنے کا مطلب ہے اسلام کے عدل اجتماعی اور اس کے قوانین کے خلاف تگ و دو کرنا۔ چھوٹے پیمانے پر راہزنی وڈکیتی ہو یا بڑے پیمانے پر اسلامی نظام کی جگہ کوئی دوسرا نظام قائم کرنے کی جدوجہد ہو' وہ دراصل اللہ اور اُس کے رسول کے خلاف جنگ ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے تعزیراتِ ہند میں ہر اُس شخص کو جو ہندوستان میں برطانوی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کرے' بادشاہ کے خلاف لڑائی (waging war against the king) کا مجرم قرار دیا گیا تھا۔ (تفہیم القرآن)

نوٹ ۲: مختلف سزائیں بیان کر دی گئی ہیں۔ اب یہ عدالت کا کام ہے کہ ہر مجرم کو اس کے جرم کی نوعیت کے مطابق سزا دے (تفہیم القرآن)۔ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ فرمایا تھا کہ اگر مجرم کو یہاں سے نکال کر دوسرے شہروں میں آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہاں کے لوگوں کو ستائے گا۔ اس لیے ایسے مجرم کو قید کر دیا جائے۔ یہی اس کو زمین سے نکالنا ہے کہ زمین میں کہیں چل پھر نہیں سکتا۔ امام ابوحنیفہؒ نے بھی یہی اختیار فرمایا ہے۔ (معارف القرآن)

نوٹ ۳: شریعت اسلام میں سزاؤں کی تین قسمیں ہیں: (۱) تعزیرات (۲) قصاص اور (۳) حدود۔ جن جرائم کی سزا قرآن وسنّت نے متعیّن نہیں کی بلکہ حکام کی صوابدید پر چھوڑا ہے ان کو تعزیرات کہتے ہیں۔ حالات کے تحت یہ سزائیں ہلکی یا سخت بھی کی جاسکتی ہیں اور معاف بھی کی جاسکتی ہیں۔ ان میں حکام کے اختیارات وسیع ہیں۔

جن جرائم کی سزائیں قرآن وسنت نے متعین کر دی ہیں ان میں سے ایک قسم کی سزا کو قصاص کہتے ہیں۔ ان میں حقوق العباد کا پہلو غالب ہے۔ اس لیے جرم ثابت ہو جانے کے بعد عدالت یا حکومت کو مجرم کی سزا میں کمی کرنے یا معاف کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ البتہ یہ اختیار متاثر بندے یا مقتول کے ولی کو حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ چاہے تو سزا دلوائے یا قصاص لے لے یا فی سبیل اللہ معاف کر دے۔

قرآن وسنّت کی معیّن کردہ سزاؤں کی دوسری قسم کو حدود کہتے ہیں۔ ان میں حقوق اللہ کا پہلو غالب ہے۔ اس لیے جرم ثابت ہو جانے کے بعد سزا میں معمولی سا بھی تغیّر وتبدّل یا کمی بیشی کرنے کی حکومت یا عدالت یا متاثر بندے کو اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح توبہ کر لینے سے بھی دنیوی سزا معاف نہیں ہوگی۔ البتہ مخلصانہ توبہ سے آخرت

کا گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ حدود اللہ میں سفارش کرنے اور سننے سے رسول اللہ ﷺ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔

حدود کی سزائیں سخت ہیں اور ان کے نفاذ کا قانون بھی سخت ہے' لیکن معاملہ کو معتدل کرنے کے لیے ثبوتِ جرم کی شرطیں بھی سخت رکھی گئی ہیں۔ اور ثبوت میں ادنیٰ سا شبہ بھی پایا جائے تو حد ساقط ہو جاتی ہے' البتہ تعزیری سزا دی جا سکتی ہے۔ مثلاً زنا کے ثبوت میں تین گواہ ہیں جو ثقہ ہیں جن پر جھوٹ کا شبہ نہیں ہو سکتا' مگر از روئے شریعت چوتھا گواہ نہ ہونے کی وجہ سے حد شرعی جاری نہیں ہو گی' لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کو کھلی چھٹی دے دی جائے گی' بلکہ عدالت اس کو مناسب تعزیری سزا دے گی۔ (معارف القرآن سے ماخوذ)

آیات ۳۵ تا ۳۷

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝

و س ل

وَسَلَ يَسِلُ (ض) وَسِيْلَةً : کسی چیز کی طرف رغبت کے ساتھ پہنچنا (مفردات القرآن)۔ اللہ تک تقرب حاصل کرنا۔ (المنجد)

وَسِيْلَةً (اسم ذات بھی ہے) : تقرب' قربت۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

''وَابْتَغُوْا'' کا مفعول ''اَلْوَسِيْلَةَ'' ہے۔ ''اِلَيْهِ'' اور ''سَبِيْلِهٖ'' کی ضمیریں اسم جلالہ کے لیے ہیں۔ ''لَوْ'' شرطیہ ہے۔ ''مِثْلَهٗ'' اور ''مَعَهٗ'' کی ضمیریں ''مَا فِي الْاَرْضِ'' کے لیے ہیں۔ ''جَمِيْعًا'' تمیز ہے۔ ''مَا تُقُبِّلَ'' ماضی مجہول ہے' لیکن یہ ''لَوْ'' کا جواب شرط ہے' اس لیے اس کا ترجمہ مستقبل میں ہو گا۔

ترجمہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ : اے لوگو جو
اٰمَنُوْا : ایمان لائے
اتَّقُوا : تم لوگ تقویٰ کرو
اللّٰهَ : اللہ کا
وَابْتَغُوْٓا : اور تلاش کرو
اِلَيْهِ : اس کی طرف
الْوَسِيْلَةَ : قربت کو
وَجَاهِدُوْا : اور تم لوگ جدوجہد کرو
فِيْ سَبِيْلِهٖ : اُس کی راہ میں
لَعَلَّكُمْ : شاید کہ تم
تُفْلِحُوْنَ : فلاح پاؤ
اِنَّ الَّذِيْنَ : یقیناً جنہوں نے
كَفَرُوْا : کفر کیا
لَوْ : اگر

اَنَّ : یہ کہ	لَهُمْ : ان کے لیے
مَّا : وہ ہو جو	فِی الْاَرْضِ : زمین میں ہے
جَمِیْعًا : سب کا سب	وَّمِثْلَهٗ : اور اس کے جیسا
مَعَهٗ : اس کے ساتھ	لِیَفْتَدُوْا : تاکہ وہ خود کو چھڑائیں
بِهٖ : جسے دے کر	مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ : قیامت کے دن کے عذاب سے
مَا تُقُبِّلَ : تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا	مِنْهُمْ : ان سے
وَلَهُمْ : اور ان کے لیے ہے	عَذَابٌ اَلِیْمٌ : ایک دردناک عذاب
یُرِیْدُوْنَ : وہ لوگ چاہیں گے	اَنْ : کہ
یَّخْرُجُوْا : وہ نکلیں	مِنَ النَّارِ : آگ سے
وَ : حالانکہ	مَا هُمْ : وہ لوگ نہیں ہیں
بِخٰرِجِیْنَ : نکلنے والے	مِنْهَا : اس سے
وَلَهُمْ : اور ان کے لیے ہے	عَذَابٌ مُّقِیْمٌ : ایک ہمیشہ قائم رہنے والا عذاب

نوٹ : عربی میں ''وَسِیْلَةٌ'' کا لفظ ''قربت'' کے معنی میں بھی آتا ہے اور ''ذریعہ'' کے معنی میں بھی۔ لیکن قرآن مجید میں یہ لفظ دو جگہ آیا ہے اور دونوں جگہ قربت کے معنی میں آیا ہے۔ اذان سننے کے بعد ہم جو دعا مانگتے ہیں اس میں یہ لفظ قربت کے مقام کے لیے آیا ہے۔

اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کے منع کردہ کاموں سے رکے رہو اور اس کی طرف قربت تلاش کرو۔ حضرات مجاہد، ابو وائل، حسن، ابن زید رحمہم اللہ اور بہت سے مفسرین سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ خدا کی اطاعت اور اس کی مرضی کے اعمال سے اس سے قریب ہوتے جاؤ۔ ان ائمہ نے وسیلے کے جو معنی اس آیت میں کیے ہیں اس پر سب مفسرین کا گویا اجماع ہے اور کسی ایک کا بھی خلاف نہیں ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وسیلے سے بڑا درجہ جنت میں کوئی نہیں ہے، پس تم اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلے کے ملنے کی دعا کرو۔ (منقول از ابن کثیرؒ)

آیات ۳۸ تا ۴۰

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۳۸﴾
فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ
تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ
عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۰﴾

س ر ق

سَرَقَ یَسْرِقُ (ض) سَرْقَةً : کوئی چیز چرانا۔ ﴿یٰاَبَانَا اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ﴾ (یوسف:۸۱) ''اے ہمارے باپ! بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کی۔''

سَارِقٌ (اسم الفاعل) : چوری کرنے والا' چور۔ آیت زیر مطالعہ۔

اِسْتَرَقَ (افتعال) اِسْتِرَاقًا : اہتمام سے چرانا۔ ﴿اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ﴾ (الحجر:۱۸) ''سوائے اُس کے جس نے چپکے سے چرایا سننے کو۔''

ترکیب

''اَلسَّارِقُ'' اور ''اَلسَّارِقَةُ'' پر لام جنس ہے اور یہ مبتدأ ہونے کی وجہ سے حالتِ رفع میں ہیں۔ ان کی خبر محذوف ہے جو ''اِذَا سَرَقَا'' ہو سکتی ہے۔ ''اِذَا'' محذوف کا جوابِ شرط ''فَاقْطَعُوْا'' ہے۔ ''جَزَاءً'' اور ''نَکَالاً'' حال ہیں۔

ترجمہ:

وَالسَّارِقُ : اور چوری کرنے والا	وَالسَّارِقَةُ : اور چوری کرنے والی (جب چوری کریں)
فَاقْطَعُوْٓا : تو کاٹ دو	اَیْدِیَهُمَا : ان دونوں کے ہاتھ
جَزَآءً : بدلہ ہوتے ہوئے	بِمَا : بسبب اس کے جو
کَسَبَا : ان دونوں نے کمایا	نَکَالاً : عبرت ہوتے ہوئے
مِّنَ اللّٰهِ : اللہ (کی طرف) سے	وَاللّٰهُ : اور اللہ
عَزِیْزٌ : بالا دست ہے	حَكِیْمٌ : حکمت والا ہے
فَمَنْ : پھر جس نے	تَابَ : توبہ کی
مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ : اپنے ظلم کے بعد	وَاَصْلَحَ : اور اصلاح کی
فَاِنَّ اللّٰهَ : تو یقیناً اللہ	یَتُوْبُ عَلَیْهِ : اس کی توبہ قبول کرتا ہے
اِنَّ اللّٰهَ : بے شک اللہ	غَفُوْرٌ : بے انتہا بخشنے والا ہے
رَّحِیْمٌ : ہر حال میں رحم کرنے والا ہے	اَلَمْ : کیا
تَعْلَمْ : تو نے نہیں جانا	اَنَّ : کہ
اللّٰهَ : اللہ	لَهٗ : اُسی کی ہے
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ : زمین اور آسمانوں کی بادشاہت	یُعَذِّبُ : وہ عذاب دیتا ہے
مَنْ : اس کو' جس کو	یَّشَآءُ : وہ چاہتا ہے
وَیَغْفِرُ : اور وہ بخش دیتا ہے	لِمَنْ : اس کو' جس کو

يَّشَآءُ: وہ چاہتا ہے	وَاللّٰهُ: اور اللہ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ: ہر چیز پر	قَدِيْرٌ: قادر ہے

نوٹ ۱: متعدد احادیث میں مختلف اشیاء کی چوری پر ہاتھ کاٹنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ ان احادیث اور حضرت عمرؓ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے فیصلوں کی بنیاد پر مختلف فقہاء نے مختلف چیزوں کو ہاتھ کاٹنے کے حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پھل' گوشت' پکا ہوا کھانا' غلّہ جس کا ابھی کھلیان نہ کیا گیا ہو' کھیل اور موسیقی کے آلات' چرتے ہوئے جانور اور بیت المال کی چوری ہاتھ کاٹنے کی سزا سے مستثنیٰ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے چوروں پر حد جاری نہیں ہوگی بلکہ ان کو مناسب تعزیری سزا دی جائے گی۔ (تفہیم القرآن)

نوٹ ۲: فقہاء اس پر متفق ہیں کہ چور اگر چوری کرنے کے بعد' خواہ گرفتاری سے پہلے یا بعد میں' توبہ کر لے تو دنیاوی سزا یعنی ہاتھ کاٹنے کی سزا معاف نہیں ہوگی۔ اس کی توبہ قبول ہونے کا مطلب آخرت کے عذاب سے معافی ملنا ہے۔ (معارف القرآن)

آیات ۴۱ تا ۴۳

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۚ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـــًٔا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝

س ح ت

سَحَتَ يَسْحَتُ (ف) سَحْتًا: پھل سے چھلکا اتارنا یا گوشت سے چربی چھیلنا' کسی کو ہلاک کرنا۔

سُحْتٌ: حرام اور ناپاک کمائی جو دنیا میں عار اور آخرت میں ہلاکت کا سبب ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

اَسْحَتَ (افعال) اِسْحَاتًا: جڑ سے اکھاڑ دینا' بیخ کنی کرنا۔ ﴿لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ﴾ (طٰہٰ: ٦١) ''تم لوگ مت باندھو اللہ پر جھوٹ ورنہ وہ اکھاڑ پھینکے گا تم لوگوں کو عذاب سے۔''

ترجمہ:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ : اے رسولؐ
الَّذِيْنَ : وہ لوگ جو
فِي الْكُفْرِ : کفر میں
قَالُوْٓا : کہا
بِاَفْوَاهِهِمْ : اپنے مونہوں سے
لَمْ تُؤْمِنْ : ایمان لائے ہی نہیں
وَمِنَ الَّذِيْنَ : اوران میں سے جو
سَمّٰعُوْنَ : بہت ٹوہ لگانے والے ہیں
سَمّٰعُوْنَ : جاسوسی کرنے والے ہیں
لَمْ يَاْتُوْكَ: جو ابھی نہیں آئے آپ کے پاس
الْكَلِمَ : کلاموں کو
يَقُوْلُوْنَ : کہتے ہیں
اُوْتِيْتُمْ : تم لوگوں کو دیا جائے
فَخُذُوْهُ : تو پکڑ لو اس کو
لَّمْ تُؤْتَوْهُ : تم کو نہ دیا جائے وہ
وَمَنْ : اور جس کے لیے
اللّٰهُ : اللہ
فَلَنْ تَمْلِكَ : تو آپؐ کو ہرگز اختیار نہیں
مِنَ اللّٰهِ : اللہ سے
اُولٰٓئِكَ : وہ لوگ ہیں
لَمْ يُرِدِ : ارادہ نہیں کیا
اَنْ : کہ
قُلُوْبَهُمْ : ان کے دلوں کو
فِي الدُّنْيَا : دنیا میں
وَّلَهُمْ : اور ان کے لیے
عَذَابٌ عَظِيْمٌ : ایک عظیم عذاب ہے

لَا يَحْزُنْكَ: چاہیے کہ غمگین نہ کریں آپؐ کو
يُسَارِعُوْنَ : دوڑ دھوپ کرتے ہیں
مِنَ الَّذِيْنَ : ان میں سے جنہوں نے
اٰمَنَّا : ہم ایمان لائے
وَ: حالانکہ
قُلُوْبُهُمْ : ان کے دل
هَادُوْا : یہودی ہیں
لِلْكَذِبِ : جھوٹ (پھیلانے) کے لیے
لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ : ایک دوسری قوم کے لیے
يُحَرِّفُوْنَ : وہ لوگ پھیرتے ہیں
مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ : ان کے رکھنے کی جگہوں (کے تعین) کے بعد سے
اِنْ : اگر
هٰذَا: یہ
وَاِنْ : اور اگر
فَاحْذَرُوْا : تو تم لوگ بچو
يُّرِدِ : ارادہ کرتا ہے
فِتْنَتَهٗ : اس کی آزمائش کا
لَهٗ : اس کے لیے
شَيْئًا : کچھ بھی
الَّذِيْنَ : جن کے لیے
اللّٰهُ : اللہ نے
يُّطَهِّرَ : وہ پاک کرے
لَهُمْ : ان کے لیے
خِزْيٌ : ایک رسوائی ہے
فِي الْاٰخِرَةِ : آخرت میں
سَمّٰعُوْنَ : بہت ٹوہ لگانے والے

لِلْكَذِبِ :جھوٹ (پھیلانے) کے لیے
لِلسُّحْتِ :حرام کی کمائی کے لیے
جَآءُوْكَ :وہ لوگ آئیں آپؐ کے پاس
بَيْنَهُمْ :ان کے درمیان
اَعْرِضْ :اعراض کریں
وَاِنْ :اور اگر
عَنْهُمْ :ان سے
شَيْئًا: کچھ بھی
حَكَمْتَ :آپؐ فیصلہ کریں
بَيْنَهُمْ :ان کے درمیان
اِنَّ اللّٰهَ :بے شک اللہ
الْمُقْسِطِيْنَ :انصاف کرنے والوں کو
يُحَكِّمُوْنَكَ:وہ لوگ حکم مانیں گے آپؐ کو
عِنْدَهُمُ :ان کے پاس
فِيْهَا :اس میں
ثُمَّ :پھر
مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ :اس کے (نزول) کے بعد سے
بِالْمُؤْمِنِيْنَ :ایمان لانے والے

اَكّٰلُوْنَ :رج کے کھانے والے
فَاِنْ :پھر اگر
فَاحْكُمْ :تو آپؐ فیصلہ کریں
اَوْ :یا
عَنْهُمْ :ان سے
تُعْرِضْ :آپؐ اعراض کریں گے
فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ :تو وہ ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے آپؐ کو
وَاِنْ :اور اگر
فَاحْكُمْ :تو آپؐ فیصلہ کریں
بِالْقِسْطِ :انصاف سے
يُحِبُّ : پسند کرتا ہے
وَكَيْفَ :اور کیسے
وَ:اس حال میں کہ
التَّوْرٰىةُ :تورات ہے
حُكْمُ اللّٰهِ :اللہ کا حکم ہے
يَتَوَلَّوْنَ :منہ پھیرتے ہیں
وَمَآ اُولٰٓئِكَ :اور وہ لوگ نہیں ہیں

نوٹ :اللہ کی طرف سے کسی کو فتنہ میں ڈالنے کا ایک مطلب یہ ہے اور یہاں یہی مراد ہے کہ کسی شخص کے اندر جب برائی پرورش پاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ایسے مواقع لاتا ہے جس میں اس کی سخت آزمائش ہوتی ہے تاکہ وہ سنبھل جائے اور اپنی اصلاح کر لے۔ لیکن اگر وہ پھر بھی نصیحت حاصل نہیں کرتا تو پھر وہ مزید برائی میں پھنستا چلا جاتا ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا وہ فتنہ ہے جس سے کسی بگڑتے ہوئے انسان کو بچا لینا اس کے کسی خیر خواہ کے بس میں نہیں ہوتا۔ (تفہیم القرآن)

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

حج کی فرضیت اور فضیلت

مدرس: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ :

((اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ عَلَیْکُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوْا)) فَقَالَ رَجُلٌ: اَکُلَّ عَامٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَسَکَتَ، حَتّٰی قَالَهَا ثَلَاثًا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :((لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَّا اسْتَطَعْتُمْ)) ثُمَّ قَالَ :((ذَرُوْنِیْ مَا تَرَکْتُکُمْ، فَاِنَّمَا هَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِکَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰی اَنْبِیَاءِ هِمْ، فَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاِذَا نَهَیْتُکُمْ عَنْ شَیْءٍ فَدَعُوْهُ)) (۱)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور اس میں فرمایا:

''اے لوگو! تم پر اللہ نے حج فرض کیا ہے' لہٰذا اس کو ادا کرنے کی فکر کرو''۔ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہر سال حج کرنا ہم پر فرض کیا گیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں سکوت فرمایا (اور کوئی جواب نہیں دیا)' یہاں تک کہ اس شخص نے تین دفعہ اپنا سوال دہرایا' تو رسول اللہ ﷺ نے (ناگواری کے ساتھ) فرمایا: ''اگر میں تمہارے اس سوال کے جواب میں ''ہاں'' کہہ دیتا تو یہ ہر سال فرض ہو جاتا اور تم ادا نہ کر سکتے''۔ اس کے بعد آپؐ نے ہدایت فرمائی: ''کسی معاملہ میں جب تک میں خود تم کو کوئی حکم نہ دوں تم مجھ سے حکم لینے (اور سوال کر کر کے اپنی پابندیوں میں اضافہ کرنے) کی کوشش نہ کرو۔ تم سے پہلی اُمتوں کے لوگ اسی لیے تباہ ہوئے کہ وہ اپنے نبیوں سے بہت سوال کرتے تھے اور پھر ان کے احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ لہٰذا (میری ہدایت یہ ہے کہ) جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اس کی تعمیل کرو اور جب تمہیں کسی چیز سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔''

اسلام کی عمارت کے پانچ ستون ہیں۔ شہادتین کا اقرار کر کے آدمی اسلام قبول کرتا ہے' پھر اس پر نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج فرض ہو جاتے ہیں۔ جو مسلمان صاحب نصاب نہ ہو وہ نہ زکوٰۃ دینے کا مکلّف ہے نہ حج کرنے کا۔ البتہ مالی وسعت رکھنے والے مسلمان پر حج کرنا فرض ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿**وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا**﴾ (آل عمران:۹۷) ''اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج فرض ہے اُن لوگوں پر جو اس کی طرف جانے کی استطاعت رکھتے ہوں۔''

راجح قول کے مطابق حج ۹ھ میں فرض ہوا۔ ۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ نے خود حج کیا۔ آپؐ کے ساتھ اس وقت صحابہ کرام ؓ کی بہت بڑی تعداد تھی۔ اس حج کی ادائیگی کے صرف تین ماہ بعد آپؐ نے اس دنیائے فانی سے الرفیق الاعلیٰ کی طرف مراجعت کی۔ یوں یہ حج ''حجۃ الوداع'' تھا۔ صحابہؓ نے آپؐ کے ساتھ مل کر حج کیا اور

(۱) صحیح مسلم' کتاب الحج' باب فرض الحج مرة فی العمر۔

تمام مناسک حج سیکھ لیے اور اسی طریقے کے مطابق مسلمان ہر سال بیت اللہ کا حج کرتے ہیں۔ تمام دیگر عبادتوں کی طرح حج بھی اللہ کی خوشنودگی کے لیے کیا جاتا ہے۔ حج کے تمام مناسک حضرت ابراہیم اور بی بی ہاجرہ علیہما السلام کے اُن افعال کی یاد میں ادا کیے جاتے ہیں جو انہوں نے مکہ کی سرزمین میں کیے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ﴾ (البقرۃ:۱۶۵) ''اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ اللہ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں''۔ حج کے ارکان کی ادائیگی اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا مظہر ہے' اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر زندگی میں ایک مرتبہ حج کرنا فرض ہے' جبکہ اس کے علاوہ نفلی حج بھی کر سکتے ہیں۔

زیر درس حدیث کے مطابق جب نبی اکرم ﷺ نے حج کی فرضیت کا اعلان کیا تو ایک صحابی اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ نے پوچھ لیا کہ حج کرنا ہر سال فرض کیا گیا ہے؟ اس پر آپؐ خاموش رہے' مگر ان صحابی نے اس سوال کو دوسری اور پھر تیسری مرتبہ دہرایا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں تمہارے اس سوال کے جواب میں ''ہاں'' کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا اور تم اس کی طاقت نہ رکھتے۔ معلوم ہوا کہ پوچھنے والے کا یہ استفسار آپؐ کو ناگوار گزرا۔ پھر آپؐ نے اس حوالے سے یہ خصوصی ہدایت فرمائی کہ کسی معاملہ میں جب تک میں خود تم کو کوئی حکم نہ دوں تو تم مجھ سے سوال کر کے حکم لینے کی کوشش نہ کرو' کیونکہ اس طرح کے سوالوں کے جواب میں پابندیاں لگتی جاتی ہیں جو عمل میں دشواری پیدا کرتی ہیں۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ تم سے پہلی اُمتوں کے لوگ اسی لیے تباہ ہوئے کہ وہ اپنے نبیوں سے سوال بہت کرتے تھے اور پھر جب جواب میں وضاحت آتی تھی تو اس کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ اس کی مثال سورۃ البقرۃ میں مذکور ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کو کہا تو انہوں نے بار بار سوال کر کے گائے کے متعلق تفصیلات پوچھیں۔ ان کے بار بار پوچھنے پر تفصیلات اور شرائط بتائی گئیں تو ان تمام شرائط والی گائے تلاش کرنا ان کے لیے مشکل ہو گیا۔ اور اگر وہ سوال نہ کرتے تو بس جو گائے بھی ملتی اس کو ذبح کر دیتے اور مشکل میں نہ پڑتے۔ یوں حضور ﷺ نے اپنی اُمت کو تعلیم دی کہ جو حکم ملے اُس پر نیک نیتی کے ساتھ عمل کرو اور اُس میں طرح طرح کے اضافے نہ کرو۔

حج کرنا ہر صاحب استطاعت پر فرض ہے۔ لوگوں کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ اللہ بلائے گا تو حج کرنے جائیں گے' مگر یہ اُن کا بہانہ ہوتا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اہمیت سے واقف ہوں تو ہرگز یہ بات نہ کہیں' کیونکہ اللہ قرآن میں حکم دے چکا کہ ہر صاحبِ استطاعت مسلمان حج کرے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کی تلقین فرما دی۔ اب کسی مالدار آدمی کو اللہ کس طرح بلائے گا؟ حالانکہ اللہ تو حج کے لیے حکم دے چکا جس طرح اس نے نماز روزے کا حکم دیا۔ اسی طرح کچھ لوگ یہ عذر بتاتے ہیں کہ ہمیں ابھی مکان بنانا ہے' بیٹوں' بیٹیوں کی شادیاں کرنی ہیں اور ان کاموں کے لیے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ ایسے لوگ بھی احکامِ شریعت کی اہمیت سے واقف نہیں۔ حج کرنا تو ہر اُس شخص پر فرض ہے جس کے پاس مکّہ مکرّمہ آنے جانے' وہاں رہنے اور گھر میں بال بچوں کی ضروریات کے لیے رقم موجود ہو۔ علاوہ ازیں اُس کی غیر حاضری میں اُس کے گھر کی دیکھ بھال کا بھی انتظام ہو اور اس کی صحت بھی اجازت دیتی ہو۔ جبکہ غریب اور نادار آدمی پر حج فرض نہیں ہے اور نہ ہی اس سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ ہر مسلمان کو بشرطِ استطاعت حج کا ارادہ رکھنا چاہیے' غلط اور ناجائز ذرائع سے حج پر جانا مناسب نہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ فرض کی ادائیگی پر نہ صرف خوش ہوتا ہے بلکہ ادا کرنے والے کو اپنے فضل سے نوازتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ)) (صحیح الجامع الصغیر) ''جس آدمی نے حج کیا اور اس میں نہ تو کسی شہوانی اور فحش بات کا ارتکاب کیا اور نہ اللہ کی کوئی نافرمانی کی تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک وصاف ہو کر واپس لوٹے گا جیسا اُس دن تھا جس دن اُس کی ماں نے اسے جنا تھا''۔ گویا حج کو پورے آداب کے ساتھ ادا کرنا اتنی فضیلت کا باعث ہے کہ اُس سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی ترغیب دی ہے کہ جب تم کسی حج کرنے والے سے ملو تو اُس کو اپنے گھر پہنچنے سے پہلے سلام کرو' مصافحہ کرو اور اس سے مغفرت کی دعا کے لیے کہو' کیونکہ وہ اس حال میں ہے کہ اس کے گناہوں کی مغفرت کا فیصلہ ہو چکا ہے (مسند احمد)۔

حج کے لیے رزقِ حلال کی اہمیت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے' کیونکہ دعاؤں اور عبادتوں کی قبولیت کا دارو مدار رزق حلال پر ہی ہے۔ جس شخص کے جسم پر ایسا کپڑا ہو جس کو حرام مال سے خریدا گیا ہو یا حرام طریقے سے حاصل کیا گیا ہو تو جب تک وہ کپڑا اس کے بدن پر ہوگا اُس کی نماز قبول نہ ہوگی۔ اسی طرح حج بھی وہی مقبول و منظور ہے' جو حلال اور پاکیزہ کمائی سے کیا گیا ہو۔

حج تو زندگی میں ایک دفعہ فرض ہے' مگر یہ اس قدر اجر و ثواب کی عبادت ہے کہ اس کے بار بار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''حج اور عمرہ پے در پے کیا کرو' کیونکہ حج اور عمرہ دونوں محتاجی اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جس طرح لوہار اور سنار کی بھٹی لوہے اور سونے چاندی کا میل کچیل دور کر دیتی ہے' اور حج مبرور کا صلہ اور ثواب تو بس جنت ہی ہے۔'' (جامع الترمذی' سنن النسائی) حج مبرور حلال کمائی سے کیا ہوا مقبول حج ہے۔

حج تو ذوالحجہ کے متعین ایام میں ہی ہوتا ہے۔ عمرہ سال کے باقی دنوں میں جب چاہیں کر سکتے ہیں۔ حج میں وقوفِ عرفات بڑا رکن ہے' اس کے علاوہ منیٰ میں قیام' مزدلفہ میں رات گزارنا اور جمرات پر کنکریاں مارنا بھی ہوتا ہے جبکہ عمرہ میں یہ افعال نہیں ہوتے۔ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا ارادہ کریں تو شیطانی وسوسہ آڑے آتا ہے کہ اس طرح رقم کم ہو جائے گی' مگر حقیقت یہ ہے کہ صدقات اور زکوٰۃ سے رقم کم نہیں ہوتی۔ سود سے رقم بڑھتی ہوئی نظر آتی ہے' حالانکہ سود بے برکتی کا باعث ہوتا ہے۔ سود رقم بڑھاتا نہیں کم کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ﴾ (البقرۃ:۲۷۶) ''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے''۔ پس شیطانی وسوسہ نری گمراہی ہے اور اللہ کا فرمان سچا ہے۔ اسی طرح جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حج پر رقم خرچ ہو گئی تو بچت کم ہو جائے گی' وہ غلطی پر ہیں' اس لیے کہ قبل ازیں بیان کردہ حدیث میں جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ حج مبرور کا صلہ اور ثواب جنت ہے وہاں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حج اور عمرہ بار بار کیا کرو اس طرح محتاجی دور ہو گی' یعنی حج اور عمرہ ناداری کا باعث نہیں بنتا بلکہ اس سے فراخی ملتی ہے۔ رازق تو اللہ ہے' حج اور عمرے پر سرمایہ خرچ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ دولت بھی دیتا ہے اور برکت بھی۔ جو لوگ حلال کمائی کے ساتھ حج اور عمرہ کی سعادت حاصل کر چکے ہیں وہ اس حقیقت کی شہادت دیں گے کہ ان کی بچت میں اضافہ اور آمدنی میں وسعت آئی ہے۔

(باقی صفحہ 81 پر)

کیا اسلام کے سوا کوئی اور دین قابلِ قبول ہے؟

نصیر احمد قاسمی ☆

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رشد و ہدایت کے لیے ہر زمانے میں اپنے برگزیدہ رسول اور نبی علیہم السلام بھیجے ہیں' جو انسانوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی طرف رہنمائی کرتے رہے' اور انہیں اس کی وحدانیت کا درس دیتے رہے۔ یہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا مشترک درس و تعلیم اور مشترک مشن رہا ہے' جس کی تکمیل اور اختتام جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔ اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ ہی کوئی رسول۔ اب اگر کسی نبی کی شریعت اور دین و مذہب قابل عمل ہے تو وہ صرف رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کردہ تعلیمات ہیں۔ ان کے علاوہ تمام ادیان کی تعلیمات منسوخ ہیں' جس پر قرآن کریم کی متعدد آیات دلالت کرتی ہیں۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیائے انسانیت کو انبیائے سابقین کی مشترک تعلیم توحید کا درس دیا ہے' اس لیے دین اسلام اور ادیانِ سابقہ کے درمیان باہم مضبوط ربط و تعلق ہے۔

اسلام کے لغوی معنی

لفظ ''اسلام'' ' مادہ ''س ل م'' سے ہے۔ سلم کے مندرجہ ذیل معانی آتے ہیں: (۱) ظاہری و باطنی آلائشوں اور عیوب سے پاک ہونا' (۲) صلح و سلامتی (۳) اطاعت و فرمانبرداری۔ [۱] سَلْمٌ بسکون اللام اور سَلَمٌ بفتح اللام کے مفہوم' اسلام' استسلام' انقیاد' سپردگی' فرمانبرداری اور اطاعت کے ہیں۔ [۲]

اس لحاظ سے اسلام تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے لائے ہوئے دین مشترک کو شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس لفظ سے مشتق صیغے کئی انبیاء سابقین نے استعمال کیے ہیں' چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: ﴿وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾﴾ (یونس) ''اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبردار لوگوں میں سے ہو جاؤں۔''

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہاری موت اسلام پر ہی ہونی چاہیے' جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾﴾ (البقرۃ)

''اور یہی وصیت کر گیا ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور یعقوب بھی' کہ اے بیٹو' بیشک اللہ نے چُن کر دیا ہے تم کو دین' سو تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان۔''

پھر جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی موت کے وقت اپنے بیٹوں سے استفسار فرمایا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے جواب دیا:

☆ ریسرچ سکالر' شعبہ دینیات' سنی' علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ naseer.theology@gmail.com

﴿..... نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴿۱۳۳﴾﴾ (البقرہ)

''.....ہم بندگی کریں گے آپ کے ربّ کی اور آپ کے آباء ابراہیم' اسمٰعیل اور اسحٰق (علیہم السلام) کے ربّ کی' وہی ایک معبود ہے' اور ہم اُسی کے فرمانبردار ہیں۔''

اسی طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریین سے سوال کیا کہ ﴿مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ﴾ ''کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں؟'' تو حواریین نے جواب دیا:

﴿نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴿۵۲﴾﴾ (آل عمران)

''.....ہم اللہ کے مددگار ہیں' ہم اللہ پر ایمان لائے' اور آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔''

لہٰذا اس عام معنی کے اعتبار سے ہر نبی و رسول کے زمانے میں جو لوگ ان پر ایمان لائے' اور ان کے لائے ہوئے احکام میں ان کی فرمانبرداری کی' وہ سب مسلمان اور مسلم کہلانے کے مستحق تھے' اور ان کا دین' دین اسلام تھا' جیسا کہ ابن کثیر ''اسلام'' کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وھو (الاسلام) اتباع الرّسل فیما بعثھم اللّٰہ بہ فی کل حین''(۳)

''اسلام ہر زمانے میں اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں کی لائی ہوئی تعلیمات کی اتباع کرنے کا نام ہے۔''

مفتی محمد شفیع عثمانیؒ لفظ اسلام پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اصطلاح میں خاص اس دین کی اطاعت کا نام اسلام ہے' جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے' کیونکہ اصولِ دین تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں ایک ہی ہیں۔''(۴)

قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ﴾ (الشوریٰ:۱۳)

''راہ ڈال دی تمہارے لیے دین میں وہی جس کا حکم کیا تھا نوح کو اور جس کا حکم بھیجا ہم نے آپ کی طرف اور جس کا حکم کیا تھا ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو' یہ کہ قائم رکھو دین کو اور اختلاف نہ ڈالو اس میں۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ سے فرمایا کہ جس دین کو ہم نے حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے لیے مشروع کیا ہے' وہی دین ہم نے آپ ﷺ کے لیے بھی مشروع کیا ہے۔

اس دین کی تشریح مفسرین کرام نے توحیدِ الٰہی' اطاعتِ خداوندی اور اللہ کے رسولوں اور اس کی کتابوں پر ایمان لانے سے کی ہے' جیسا کہ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

''وھو توحید اللّٰہ وطاعتہ' والایمان برسلہ وکتبہ وبیوم الجزاء' وبسائر ما یکون الرّجل باقامتہ مسلما'' (۵)

''دین' اللہ کو ایک ماننے' اس کی اطاعت کرنے' اس کے رسولوں پر' اس کی کتابوں پر' قیامت کے دن پر اور ان تمام چیزوں پر ایمان لانے کا نام ہے کہ جس سے ایک آدمی مسلمان بن جائے۔''

مفتی محمد شفیع عثمانی فرماتے ہیں:

''مراد وہی دین ہے' جو سب انبیاء علیہم السلام میں مشترک چلا آ رہا ہے' اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ دینِ مشترک بین الانبیاء اصولِ عقائد' یعنی توحید' رسالت' آخرت پر ایمان اور اصولِ عبادات نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ کی پابندی ہے' نیز چوری' ڈاکہ' زنا' جھوٹ فریب' دوسروں کو بلاوجہ شرعی ایذا دینے اور عہد شکنی کی حرمت ہے' جو سب ادیان سماویہ میں مشترک اور متفق علیہ چلے آئے ہیں''۔ (۶)

ظاہر ہے کہ ادیانِ سابقہ اور دین اسلام' اصول وعقائد' ایمانیات واخلاقیات میں ایک دوسرے سے مختلف نہیں رہے ہیں۔ ہر مذہب میں ان کی جوہری تعلیمات موجود ہیں۔ ہر کتاب سرچشمہ ہدایت تھی' جس پر عمل پیرا ہوکر ہدایت کی راہ پر گامزن ہوا جاسکتا تھا' اور حاملین کتاب انبیاءِ کرام علیہم السلام ان ہی کتابوں کے مطابق فیصلے فرمایا کرتے تھے' جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۴۴﴾ (المائدۃ)

''ہم نے نازل کی تورات جس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ سارے نبی' جو کہ مسلم تھے' اسی کے مطابق ان یہودی بن جانے والوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے تھے' اور اسی طرح ربانی اور احبار بھی' کیوں کہ انہیں کتاب اللہ کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا گیا تھا' اور وہ اس پر گواہ تھے۔ پس (ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ) تم لوگوں سے نہ ڈرو' بلکہ مجھ سے ڈرو اور میری آیات کو ذرا ذرا سے معاوضے لے کر بیچنا چھوڑ دو۔ اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں' وہی تو کافر ہیں۔''

اس کے بعد قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَقَفَّيْنَا عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۴۶﴾

''اور پیچھے بھیجا ہم نے انہی کے نقش قدم پر عیسیٰ مریم کے بیٹے کو' تصدیق کرنے والا تورات کی' جو اس کے سامنے موجود تھی' اور اس کو دی ہم نے انجیل' جس میں ہدایت اور روشنی تھی اور تصدیق کرتی تھی اپنے سے اگلی کتاب تورات کی' اور راہ بتلانے والی اور نصیحت تھی ڈرنے والوں کو۔''

پھر قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ عَمَّا جَاۗءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ﴾ (المائدۃ:۴۸)

''اور (اب اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) ہم نے آپ پر اتاری کتاب حق کے ساتھ' تصدیق کرنے والی اپنے سے پہلی کتابوں کی' اور ان کے مضامین پر نگہبان' سو آپ فیصلہ کریں ان کے مابین اس (قانون) کے موافق جو کہ

اتارا اللہ نے' اور مت پیروی کریں ان کی خواہشات کی' اس حق کو چھوڑ کر جو آ چکا ہے آپؐ کے پاس!''

ان تینوں آیاتِ کریمہ میں ہر ایک کتاب کے سرچشمہ ہدایت ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ کتاب کو اپنے معاملات میں ان ہی کتابوں کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا' جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴۷﴾ (المائدۃ)

''اور چاہیے کہ فیصلہ کریں انجیل والے موافق اس کے جو کہ نازل کیا ہے اللہ نے اس میں' اور جو لوگ فیصلے نہیں کرتے اللہ کے نازل کردہ قانون کے موافق سو وہی لوگ نافرمان ہیں۔''

رسولِ اکرم ﷺ بھی اُن امور میں ان ہی کتابوں کے مطابق فیصلہ فرمایا کرتے تھے جن کے بارے میں اُس وقت تک دین اسلام میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہوتی تھی' مگر قرآن کریم کے علاوہ چوں کہ دوسری کتابیں ان کے متبعین کے ہاتھوں محفوظ نہیں رہ سکی ہیں' اور انہوں نے ان میں لفظی و معنوی دونوں طرح کی تحریفات کر ڈالی ہیں' جن پر سے قرآن کریم نے پردہ اٹھایا ہے' اس لیے اب یہ کتابیں ناقابلِ اعتبار ہیں' البتہ ان کتابوں کے اصل مضامین کی محافظ و نگرانِ کتاب صرف قرآن کریم ہے' جس نے متعدد مقامات پر ان کا تذکرہ کیا ہے۔

مذکورہ تصریحات سے معلوم ہوا کہ اصل دین سب انبیاء کرام علیہم السلام کا ایک ہی تھا' یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے جامع کمالات اور تمام نقائص سے پاک ہونے اور دل سے اُس کے سوا کسی کے لائق عبادت نہ ہونے پر ایمان لانا' اور زبان سے اس کا اقرار کرنا' اُس کے بھیجے ہوئے ہر نبی و رسول اور ان کے لائے ہوئے احکام پر عمل کرنا' نیز اخلاقِ رذیلہ سے اجتناب کرنا' یہی سب انبیاء کرام علیہم السلام کا مشترک دین رہا ہے۔

اسلام کے اصطلاحی معنیٰ

لفظ ''اسلام'' کا خاص معنیٰ و مفہوم اس دین سے عبارت ہے' جو جناب رسول اکرم ﷺ پر نازل ہوا ہے' جس نے پچھلی تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے' اور جو قیامت تک باقی رہے گا۔ اس معنیٰ کے اعتبار سے یہ لفظ صرف دین محمدی اور اُمتِ محمدیہ کے لیے مخصوص ہو جاتا ہے۔ اس خاص معنی پر قرآن کی متعدد آیات دلالت کرتی ہیں' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ﴾ (المائدۃ:۳)

''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے' اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے' اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔''

اس آیت کریمہ میں مفسّرین کرام نے لفظ ''اسلام'' سے خاص دین اسلام مراد لیا ہے' جیسا کہ امام قرطبی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

" أی ورضیت اسلامکم الذی أنتم علیه الیوم دینا باقیا" (۷)

''یعنی میں تمہارے اس اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوں کہ جس دین پر تم آج ہو اور جو باقی رہنے والا ہے۔''

ابوحیان اندلسی اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" اخترته لكم من بين الأديان"۔ (۸)

''دین اسلام کو میں نے باقی ادیان میں سے تمہارے لیے پسند کیا ہے۔''

الغرض قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اسلام کی تشریح اس شریعتِ مطہرہ سے کی گئی ہے جس کا نزول جناب رسول اکرم ﷺ پر ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ احادیث مبارکہ میں بھی 'اسلام' کو اس خاص معنی و مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ کتبِ احادیث میں ''حدیثِ جبرئیل'' کے نام سے ایک مشہور حدیث موجود ہے' اس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے سوال کرتے ہوئے پوچھا: اسلام کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے' اور نماز کو قائم کرے' زکوٰۃ ادا کرے' حج بیت اللہ کا فریضہ انجام دے اور رمضان المبارک کے روزے رکھے۔''(۹)

ایک اور حدیث' کتب احادیث میں آتی ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے' اور وہ یہ ہیں:

(۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔

(۲) نماز قائم کرنا۔

(۳) زکوٰۃ ادا کرنا۔

(۴) حج بیت اللہ کا فریضہ انجام دینا۔

(۵) رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔ (۱۰)

مذکورہ دونوں احادیث میں رسولِ اکرم ﷺ نے اسلام کی جو تفسیر بیان فرمائی ہے' اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اسلام کا خاص معنیٰ و مفہوم مراد ہے۔

لفظ ''اسلام'' کے دونوں معانی کو بیان کرنے کے بعد اس بات کا جائزہ لینا آسان ہے کہ دین اسلام اور ادیانِ سابقہ کے درمیان کس طرح کا ربط و تعلق ہے۔ عام معنی یا اصولِ دین اور عقائد و ایمانیات کے لحاظ سے ان کے درمیان گہرا اور مضبوط تعلق ہے' لیکن خاص معنیٰ و مفہوم کے اعتبار سے دین اسلام سابقہ تمام ادیان سے بالکل مختلف اور ممتاز ہے' کیونکہ عام معنی کے اعتبار سے ہر مذہب کے ماننے والے کو مسلم کہا جا سکتا ہے اور ہر مذہب پر اسلام کا اطلاق ہو سکتا ہے' لیکن خاص معنی و مفہوم کے اعتبار سے انہی لوگوں کو مسلمان کہا جا سکتا ہے جو محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار کرتے ہوں' اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین پر دل و زبان دونوں سے ایمان رکھتے ہوں۔

دین اسلام ہی قابلِ عمل ہے

اس حقیقت کے باوجود کہ ہر زمانے میں ہر نبی کا پیش کردہ دین ہی اُس وقت کا دین اسلام تھا' جب آخر میں خاتم النبیین محمدؐ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے تو پچھلے سارے ادیان منسوخ ہو چکے۔ اب اگر کوئی اپنے آپ کو مسلم یا مسلمان ہونے کے لقب سے متصف رکھنا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ کے لائے ہوئے دین اسلام پر عمل پیرا ہو' کیونکہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد دین اسلام کہلانے کا مستحق دین صرف وہ ہے جو قرآن کریم اور حضور ﷺ کی تعلیمات کے مطابق ہو' اور یہی اللہ کے نزدیک مقبول بھی ہے' اس کے سوا کوئی دین مقبول اور ذریعہ نجات نہیں۔ اس مضمون کو قرآن کریم کی کئی آیات میں مختلف عنوانات سے بیان

کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (آل عمران)

''اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا طالب ہو' اس سے وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا' اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔''

تفسیر طبری میں اس کی تفسیر یوں بیان کی گئی ہے:

"ومن يطلب دينا غير دين الاسلام ليدين به فلن يقبل الله منه" (۱۱)

''اور جو کوئی دین اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا طالب ہو' تا کہ وہ اس کو دین کے طور پر اپنائے' تو اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز قبول نہیں کرے گا۔''

ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ﴾ (آل عمران:۱۹)

''بے شک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔''

حدیث کی کتابوں میں بھی اس مضمون کو صاف لفظوں میں بیان کیا گیا ہے کہ نجات پانے کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ پر ایمان لایا جائے' اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ حدیث کی مشہور کتاب مسلم شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((والّذی نفس محمد بیده لا یسمع بی أحد من هٰذه الأمة یهودیّ ولا نصرانی ثمّ یموت ولم یؤمن بالّذی أرسلت به الّا کان من أصحاب النّار)) (۱۲)

''قسم ہے اس ذات کی جس کے دستِ قدرت میں محمد (ﷺ) کی جان ہے' اس امت کا جو کوئی یہودی اور نصرانی میری نبوت و رسالت کو سنے گا' پھر اس کی موت آجائے درآنحالیکہ وہ اس پر ایمان نہ لائے جس کو میں لے کر آیا ہوں' تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔''

امام نوویؒ اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ اس میں آپ ﷺ کی رسالت کے ذریعہ تمام (سابقہ) مذاہب کے منسوخ ہونے کی اطلاع ہے۔ نیز اس حدیث میں اگرچہ یہودیوں اور نصرانیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے' لیکن یہ ہر اُس شخص کے لیے عام ہے جو آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کے زمانے کو پائے گا' اور ان کو بطورِ خاص ذکر کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہ ان لوگوں کا حال ہے جو اہلِ کتاب ہیں' لہٰذا جو اہلِ کتاب نہیں ہیں' وہ بدرجۂ اولیٰ اس سے مراد ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"وأما الحدیث ففیه نسخ الملل کلّها برسالة نبینا ﷺ ..... وانما ذکر الیهودیّ والنّصرانیّ تنبیها علی من سواهما وذلك لأن الیهود والنصاری لهم کتاب فاذا کان هٰذا شأنهم مع أن لهم کتابا فغیرهم ممن لا کتاب له أولیٰ " (۱۳)

علامہ آلوسی آیت کریمہ ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ کے تحت لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جو اُمت تھی' ان کے لیے شریعت تورات کے احکام تھی' اور حضرت عیسیٰؑ اور رسول اکرم ﷺ کے درمیان جو اُمت رہی ہے' ان کے لیے انجیل کے احکام شریعت تھی' اور اب جو اُمت موجود ہے

(چاہے وہ اُمتِ مستجاب ہو یا اُمتِ دعوت ہو' جس میں تمام ہی غیر مسلم شامل ہیں)' ان کے لیے شریعت صرف وہ احکام ہیں' جو قرآن کریم میں موجود ہیں' لہٰذا اس پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے' چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

" والأمة الّتی کانت من مبعث موسیٰ علیه الصّلاة والسّلام الیٰ مبعث عیسیٰ علیه السّلام ما فی التورٰة' والّتی کانت من مبعث عیسیٰ علیه السّلام الیٰ مبعث أحمد علیه الصلاة والسّلام شرعتهم ما فی الانجیل' وأما أنتم أیّها الموجودون فشرعتکم ما فی الفرقان 'لیس الّا فامنوا به واعملوا بمافیه" (١٤)

حاصل کلام یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد سابقہ تمام ادیان منسوخ العمل قرار پائے ہیں۔ اب جس شریعت پر عمل کرنا معتبر ہے وہ صرف اور صرف شریعت محمدی ہے' اس کے علاوہ کوئی بھی شریعت قابل عمل نہیں ہے۔

البتہ شریعت سابقہ کے بعض وہ احکام جن کے بارے میں قرآن کریم کی تائید پائی جاتی ہے' وہ ہمارے لیے بھی واجب العمل ہیں' تا آنکہ شریعت اسلامیہ میں ان کے متعلق نسخ کا دعویٰ کیا جائے۔ پھر یہ تائید چاہے اس معنی میں ہو کہ قرآن کریم یا احادیث مبارکہ میں اس بات کی صراحت کی گئی ہو کہ فلاں نبی کی امت کا یہ حکم ہمارے لیے واجب العمل ہے' یا اس طور پر ہو کہ قرآن کریم یا آپ ﷺ نے ان کے کسی حکم کی مدح یا تحسین فرمائی ہو اور اس کے نسخ کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہو۔ چنانچہ مفتی محمد شفیع عثمانی لکھتے ہیں:

''فقہاء نے قرآن کریم کی اس آیت ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ﴾ سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ امت محمدیہ کے لیے صرف شریعت محمدی ہی کے احکام واجب العمل ہیں۔ پچھلی امتوں کو جو احکام دیے گئے تھے' وہ ہمارے لیے اس وقت تک واجب العمل نہیں ہیں جب تک قرآن وسنت سے اُن کی تائید نہ ہو جائے۔ پھر تائید کی ایک شکل تو یہ ہے کہ قرآن یا حدیث میں صراحتاً یہ فرمایا گیا ہو کہ فلاں نبی کی امت کا یہ حکم ہمارے لیے بھی واجب العمل ہے' اور دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن کریم یا آنحضرت ﷺ کسی پچھلی امت کا کوئی حکم بطورِ تحسین ومدح بیان فرمائیں' اور اس کے بارے میں یہ نہ فرمائیں کہ یہ حکم ہمارے زمانے میں منسوخ ہو گیا ہے' اس سے بھی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ حکم ہماری شریعت میں بھی جاری ہے۔'' (١٥)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''اس سے ثابت ہوا کہ پچھلی شریعتوں میں جو احکامِ الٰہیہ نافذ تھے' جب تک قرآن یا وحی الٰہی نے ان کو منسوخ نہ کیا ہو' وہ بدستور باقی رہتے ہیں'..... جمہور علماء اسلام کے نزدیک ضابطہ یہ ہے کہ پچھلی شریعتوں کے وہ احکام جن کو قرآن نے منسوخ نہ کیا ہو' وہ ہماری شریعت میں بھی نافذ العمل اور واجب الاتباع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آیات مذکورہ میں اہلِ تورات کو تورات کے مطابق اور اہلِ انجیل کو انجیل کے مطابق حکم دینے اور عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے' حالاں کہ یہ دونوں کتابیں اور ان کی شریعتیں آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد منسوخ ہو چکی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تورات وانجیل کے جو احکام قرآن نے منسوخ نہیں کیے' وہ آج بھی واجب الاتباع ہیں''۔ (١٦)

اس بحث کے ضمن میں مفسرین کرام نے یہ تحقیق کی ہے کہ سابقہ شریعتوں کے جو احکام منسوخ نہیں ہوئے ہیں' وہ ہماری شریعت میں اس حیثیت سے معمول بہ نہیں ہیں کہ وہ سابقہ شریعتوں کے احکام ہیں' بلکہ اس حیثیت

سے قابل عمل ہیں کہ وہ ہماری شریعت کے احکام ہیں' جیسا کہ علامہ آلوسی الفاظ قرآنی "شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا" کے تحت فرماتے ہیں:

" والتحقيق فی هذا المقام انّا متعبدون بأحكام الشرائع الباقية من حيث أنّها أحكام شرعتنا لا من حيث أنّها شرعة للأولين" (۱۷)

''تحقیقی بات یہ ہے کہ ہم سابقہ شریعتوں کے احکام کے مکلّف اس حیثیت سے ہیں کہ وہ ہماری شریعت کے احکام ہیں' نہ کہ اس حیثیت سے کہ وہ پہلی شریعتوں کے احکام ہیں۔''

اس تحقیق کے بعد اس کے کوئی معنی نہیں رہتے کہ سابقہ شریعتوں کے احکام جو منسوخ نہیں ہوئے' ہمارے لیے قابل عمل ہیں کہ نہیں' کیوں کہ ایسی صورت میں وہ ہماری شریعت کے احکام ہیں' نہ کہ سابقہ شریعتوں کے احکام۔

فروعی احکام میں اختلاف کی حکمت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر زمانے میں ہر رسول کو الگ الگ شریعت کے ساتھ مبعوث کیا ہے' جس میں اختلاف کا ہونا فطری بات ہے' کیوں کہ ہر دور کے حالات دوسرے دور سے مختلف رہے ہیں' لہٰذا شریعت وقانون میں اختلافِ حالات کی پاسداری اور لحاظ رکھنا ضروری تھا' ورنہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو پوری انسانیت کو ایک ہی شریعت پر گامزن کرتا اور پوری انسانیت کو ایک ہی قوم اور ایک ہی ملت بنا دیتا' جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ط﴾ (المائدۃ:۴۸)

''اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا' لیکن (ایسا نہیں کیا) تا کہ جو دین تم کو دیا ہے اس میں تم سب کا امتحان لے' پس تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو!''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسا نہیں کیا' جس کی حکمت قرآن کریم نے خود بیان کی ہے' اور وہ یہ کہ بندوں کی آزمائش مقصود ہے کہ آیا وہ ان احکام پر عمل پیرا ہوتے ہیں جن کو اس وقت کا پیغمبر ان کے سامنے پیش کرے یا نہیں! چنانچہ مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ اختلافِ شرائع کی حکمت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس کے لیے کچھ مشکل نہ تھا کہ تم سب کو ایک ہی امت ایک ہی ملت بنا دیتا' سب کی ایک ہی کتاب ایک ہی شریعت ہوتی' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو اس لیے پسند نہیں کیا کہ لوگوں کی آزمائش مقصود تھی کہ کون لوگ ہیں جو عبادت کی حقیقت سے واقف ہو کر ہر وقت گوش بر آواز رہتے ہیں کہ جو حکم ملے اس کی تعمیل کریں' جو نئی کتاب یا شریعت آئے اس کا اتباع کریں۔''

شریعتوں میں اختلاف کی حکمت کو بیان کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

''ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ دنیا کے ہر دور اور ہر طبقہ کے انسانوں کے مزاج وطبائع مختلف ہوتی ہیں' زمانہ کا اختلاف طبیعت انسانی پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتا ہے' اگر سب کے لیے فروعی احکام ایک ہی کر دیے جائیں تو انسان بڑی مشکل میں مبتلا ہو جائے' اس لیے حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا یہ ہوا کہ ہر زمانہ اور ہر مزاج کے جذبات کی رعایت رکھ کر فروعی احکام میں مناسب تبدیلی کی جائے''۔ (۱۸)

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ شریعتوں کے اختلاف پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خدا نے ہر امت کا آئین اور طریق کار اس کے احوال و استعداد کے مناسب جداگانہ رکھا ہے' اور باوجود یکہ تمام انبیاء اور ملل سماویہ اصولِ دین اور مقاصد کلیہ میں' جن پر نجاتِ ابدی کا دارومدار ہے' باہم متحد اور ایک دوسرے کے مصدق رہے ہیں' پھر بھی جزئیات اور فروع کے لحاظ سے ہر امت کو ان کے ماحول اور مخصوص استعداد کے موافق خاص خاص احکام و ہدایات دی گئیں''۔ (۱۹)

بعض فروعی احکام میں اشتراک

ادیانِ سابقہ اور دین اسلام کے بارے میں یہ بات ذکر کی جا چکی ہے کہ یہ تمام مذاہب اصولیات' ایمانیات اور عقائد میں ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہیں' ہر شریعت میں ان کا تذکرہ بار بار ہوا ہے' اور فروعی احکام میں تمام مذاہب ایک دوسرے سے مختلف ہیں' لیکن کچھ فروعی احکام ایسے بھی ہیں کہ جن میں یہ ادیان باہم مشترک ہیں اور ہر مذہب میں ان پر عمل پیرا ہونے کی تعلیم دی گئی ہے' بلکہ تاکیدی طور پر ان کے متعلق اُبھارا گیا ہے' اور وہ احکام سورۃ الانعام کی ان آیات میں مذکور ہیں:

﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾﴾

یعنی: شرک سے اجتناب کرنا' والدین کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنا' تنگیٔ معاش کی وجہ سے قتل اولاد سے اجتناب کرنا' فواحش اور برائیوں سے دور رہنا' قتل انسانی سے اجتناب کرنا' یتیموں کے مال کی حفاظت کرنا' ناپ تول کو برابر رکھنا' عدل و انصاف کی بات کرنا' اللہ کے عہد کو پورا کرنا۔

اس آیت کریمہ میں توحید کے علاوہ آٹھ ایسے فروعی احکام ذکر کیے گئے ہیں' جن کی تعلیم نہ صرف قرآن کریم میں دی گئی ہے' بلکہ سابقہ ادیان میں بھی ان پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی ہے' چنانچہ امام شوکانی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے' یہ (نو احکام) تورات کی پہلی آیت تھی۔ آگے لکھتے ہیں کہ یہود کے نزدیک ان احکام کے تئیں بڑا ہی اہتمام تھا' زبور کے متبعین نے ان کو زبور کے آخر میں لکھ لیا تھا اور عیسائیوں نے انجیل کے شروع میں لکھ لیا تھا' چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

'ولليهود بهٰذا الوصايا عناية عظيمة وقد كتبها أهل الزّبور فى آخر زبورهم وأهل الانجيل فى أوّل انجيلهم وهى مكتوبة لوحين" (۲۰)

یہ ایسے احکام ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر مذہب کا حصہ رہے ہیں' اور ان میں سے کوئی ایک حکم بھی منسوخ نہیں ہوا ہے۔ مفسّرِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں

کہ سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے جن محکمات کا ذکر کیا ہے وہ یہی احکام ہیں' جن پر تمام ادیان متفق ہیں اور یہ کبھی بھی منسوخ نہیں ہوئے ہیں۔ (۲۱)

الغرض یہ بات پائے ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ سابقہ ادیان شریعتِ محمدیہ کے آنے کے بعد منسوخ العمل ہیں' اور یہ تمام شریعتیں اپنے متبعین کے لیے بھی قابل عمل نہیں ہیں' بلکہ ضروری ہے کہ وہ صرف اور صرف شریعتِ محمدی پر عمل پیرا ہوں۔ البتہ جہاں تک اصولیات' ایمانیات اور عقائد کی بات ہے' اس حد تک یہ تمام شریعتیں ایک ہی ہیں' ہر کتاب نے قدرِ مشترک کے طور پر ان امور کا تذکرہ کیا ہے' لیکن فروعی احکام میں ہر شریعت دوسری شریعت سے مختلف رہی ہے' اور ان ہی امور کی نسبت شریعتِ محمدیؐ ان کے لیے ناسخ ہے۔

حوالہ جات

(۱) وحید الزمان الکیرانوی: القاموس الوحید' کتب خانہ حسینیہ دیوبند' ۲۰۰۱ء' ج ۱' ص ۷۹۶۔

(۲) محمد بن مکرم ابن منظور: لسان العرب' بیروت' ج ۱۲' ص ۲۸۹ ایضاً' ابراہیم مصطفیٰ' المعجم الوسیط' دار الدعوۃ' ج ۱' ص ۴۴۶۔

(۳) اسماعیل بن عمر بن کثیر: تفسیر القرآن العظیم' دار طیبہ ۱۹۹۹ء' ج ۲' ص ۲۵۔

(۴) محمد شفیع عثمانی: معارف القرآن' مکتبہ مصطفائیہ دیوبند' ج ۲' ص ۱۰۶۔

(۵) ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی: الجامع لأحکام القرآن' قاہرہ ۱۹۶۴ء' ج ۱۶' ص ۱۰۔

(۶) محمد شفیع عثمانی: معارف القرآن' ربانی بک ڈپو دیوبند' ج ۷' ص ۶۷۸۔

(۷) ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی: الجامع لأحکام القرآن' قاہرہ ۱۹۶۴ء' ج ۶' ص ۶۳۔

(۸) محمد بن یوسف ابوحیان اندلسی: البحر المحیط' دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ' ج ۴' ص ۱۷۵۔

(۹) محمد بن اسماعیل' صحیح بخاری: کتب خانہ رشیدیہ دہلی' کتاب الایمان' ج ۱' ص ۱۲۔

(۱۰) محمد بن اسماعیل' صحیح بخاری: کتاب الایمان' کتب خانہ رشیدیہ دہلی' ج ۱' ص ۶۔

(۱۱) ابوجعفر محمد بن جریر الطبری: جامع البیان فی تفسیر القرآن' مطبعہ میمنیہ' ج ۳' ص ۲۲۳۔

(۱۲) ابوالحسین مسلم بن الحجاج: صحیح مسلم' کتب خانہ رشیدیہ' دہلی' باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا' ج ۱' ص ۸۶۔

(۱۳) ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی: المنہاج شرح صحیح مسلم' کتب خانہ رشیدیہ' دہلی' ج ۱' ص ۸۶۔

(۱۴) شہاب الدین محمود بن عبداللہ: روح المعانی' مکتبہ مصطفائیہ دیوبند' ج ۴' ص ۱۵۳۔

(۱۵) محمد شفیع عثمانی: معارف القرآن' ربانی بک ڈپو دیوبند' ج ۷' ص ۳۸۷۔

(۱۶) محمد شفیع عثمانی: معارف القرآن' ربانی بک ڈپو دیوبند' ج ۳' ص ۱۶۴۔

(۱۷) شہاب الدین محمود بن عبداللہ: روح المعانی' مکتبہ مصطفائیہ دیوبند' ج ۴' ص ۱۵۴۔

(۱۸) محمد شفیع عثمانی: معارف القرآن' ربانی بک ڈپو دیوبند' ج ۳' ص ۱۶۴' ۱۶۳۔

(۱۹) محمود حسن دیوبندی: ترجمہ قرآن' تفسیر شبیر احمد عثمانی' ص ۱۵۴' حاشیہ ۵۔

(۲۰) محمد بن علی بن محمد الشوکانی: فتح القدیر الجامع بین الروایۃ والدرایۃ من علم التفسیر' دار المعرفۃ بیروت' ج ۲' ص ۲۷۹۔

(۲۱) محمد شفیع عثمانی: معارف القرآن' مکتبہ مصطفائیہ دیوبند ہند' ج ۳' ص ۴۸۰۔

قراءتِ امام حفصؒ بروایت امام عاصمؒ
تعارف وتجزیہ

محمد طارق☆

ابوعمر حفص بن سلیمان بن المغیر ہ بن ابی داؤد الاسدی الکوفی' الفاخری' الغاضری' البز از ۹۰ھ/۷۰۹ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۰ھ میں وفات پائی۔ آپ کئی القاب سے جانے جاتے ہیں' لیکن ان میں سے دو القاب ''البزاز'' اور ''حفصؒ'' زیادہ مشہور ومعروف ہیں۔(۱) آپ کو قراءت سے دوامی شہرت ملی جسے آپ نے اپنے کو فی استاد امام عاصمؒ (م ۱۲۰ھ) سے سیکھا تھا۔ آپ ان کے ربیب اور داماد بھی تھے۔(۲) امام عاصمؒ کی وفات کے بعد امام حفصؒ دارالخلافہ بغداد میں مقیم ہوگئے' جہاں گرچہ امام عاصم کے دوسرے بہت سے شاگرد تھے' مگر قراءت امام عاصم کو عام کرنے اور شہرت دینے میں امام حفص کی بڑی گرانقدر خدمات ہیں۔ امام حفصؒ کے علاوہ اس قراءت کی ترویج واشاعت میں ابوبکر شعبہ بن عیاشؒ (۱۹۴ھ/۸۰۹ء) کا بھی حصہ ہے'(۳) لیکن ان کے مقابلہ میں حفص کو زیادہ مستند خیال کیا جاتا ہے اور ان کی مساعی سے جو سلسلۂ قراءت منقول ہوتا چلا آرہا ہے اسی کو قرآن مجید کے نسخوں کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ اُس وقت سے لے کر آج تک برابر وہی نسخہ نقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ عہد حاضر میں یہی نسخہ مستند ترین قرآن کا متن تصور کیا جاتا ہے۔(۴)

بزاز کہلانے کی وجہ تسمیہ

موصوف بزاز اس لیے کہلاتے ہیں کیونکہ آپ کپڑے کی تجارت کرتے تھے(۵) اور حفص کے نام سے متصف تھے۔ چنانچہ علامہ شاطبی نے اپنی کتاب ''شاطبیہ'' کے اشعار میں ابوعمر کی جگہ آپ کو ''حفص'' لکھا ہے۔ شاید اسی لیے بعض حضرات نے آپ کا نام حفص بن سلیمان بھی لکھا ہے۔

امام ابوبکر خطیب بیان کرتے ہیں کہ متقدمین قراءت کے باب میں حفص کو امام عاصم کے دوسرے شاگرد ابوبکر بن عیاش سے افضل اور قوی الحافظہ سمجھتے تھے' اور آپ نے جو قراءت امام عاصم سے سیکھی تھی اس کی وجہ سے حفص کو ''ضابط'' اور ''حافظ'' کہا جاتا تھا۔ امام حفصؒ کے ضبط وحفظ کو دیکھتے ہوئے علامہ شاطبیؒ نے ان کی شان میں لکھا: ''**وحفص بالاتقا ن کان مفضلا**'' (یقیناً امام حفص کو حفظ وضبط میں فضیلت حاصل ہے۔)(۶)

☆ ریسرچ اسکالر' شعبۂ دینیات' علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ tarique.mohd106@gmail.com

علامہ جزریؒ نے اپنی کتاب ''النشر فی القراء ات العشر'' میں قراءتِ امام حفصؒ کے بارے میں چند مستند علماء کے اقوال نقل کیے ہیں جس سے امام حفصؒ کی فن قراءت میں کی ثقاہت ومہارت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔(۷) اسی طرح ابن منادیٰ نقل کرتے ہیں کہ امام حفصؒ کا شمار اولین قراء میں ہے۔امام حفصؒ کی قراءت کے بارے میں علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ امام موصوف علم قراءت میں ثقہ' ثبت' اور ضابط ہیں' جبکہ روایت حدیث میں انہیں یہ مقام حاصل نہیں ہے۔(۸) اسی طرح حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:'' **وقال یحیی بن معین زعم ایوب بن متوکل وکان بصر یا من القر اء قال: ابوعمر اصح قراء ة من ابی بکر بن عیاش و ابو بکر او ثق منه**'' (یحییٰ بن معین جو کہ بصری قراء میں سے ہیں وہ ابن متوکل کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ امام حفصؒ کی قراءت ابوبکر بن عیاشؒ کے مقابلہ میں زیادہ صحیح ہے اور ابوبکر بن عیاش روایت حدیث میں ان سے زیادہ ثقہ ہیں۔)(۹) اس کے آگے حافظ ابن حجرؒ نے ساجی کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: ''**حفص بن سلیمان کان أ علم اصحاب عاصم بقرا ئته**'' (امام حفصؒ امام عاصم کی قراءت کو دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔)(۱۰) علامہ جزریؒ فرماتے ہیں کہ حفص بن سلیمان امام عاصمؒ کے شاگردوں میں ان کی قراءت کو سب سے زیادہ جانتے تھے(۱۱) اور امام وکیعؒ فرماتے ہیں کہ امام حفصؒ ثقہ تھے اور نسائی نے ان کی روایت کو علی کی سند سے پے در پے نقل کیا ہے' حالانکہ علامہ جزریؒ نے اپنی کتاب ''غایۃ النہایۃ'' (ج ۱' ص ۲۵۴) اور حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب ''تہذیب التہذیب'' میں تقریباً تمام محدثین کی آراء کو جمع کیا ہے جس میں امام نسائی کے علاوہ باقی تمام محدثین نے آپؒ کو متروک الحدیث کہا ہے' اور سید ابوالقاسم نے ''البیان فی تفسیر القرآن'' میں بھی اسی قسم کا خیال ظاہر کیا ہے۔(۱۲) لیکن علم قراءت میں امام حفصؒ کا مرتبہ بلند و بالا ہے' چنانچہ مذکورہ بالا اقوال پر غور کرنے سے امام حفصؒ کی عظمت و رفعت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے' کیونکہ علماء متقدمین میں سے جن حضرات نے بھی امام موصوف کا تذکرہ کیا ہے ان مصنفین نے قراءت میں امام حفصؒ کی علمی صلاحیت کو سراہتے ہوئے ان کی شان میں ثِقہ' حافظ' ضابط' اقرء اور اعلم وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں' اور یہ خطابات دینے والے وہ ائمہ وحفاظ حدیث ہیں جن کی تصانیف مراجع ومصادر کی حیثیت رکھتی ہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حفصؒ کی شخصیت علم قراءت میں اپنے ہم عصروں سے بلند و بالا تھی۔اس وقت دنیائے اسلام میں ان ہی کی قراءت کے نسخے متداول ہیں اور عہد حاضر میں انہی کا نسخہ مستند ترین قرآن کریم کا متن تصور کیا جاتا ہے۔

قراءتِ امام حفصؒ کی اسنادی حیثیت

علومِ اسلامیہ میں علم قراءت نہایت اہم علم ہے' اس علم کا خاص امتیاز یہ ہے کہ بذاتِ خود نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی تعلیم دی' اور صحابہ کرامؓ نے تابعینؒ کو۔ان تابعینؒ میں سے بعض اس فنِ قراءت میں کافی مشہور ومعروف ہوئے' ان میں سے ایک معروف شخصیت امام حفصؒ کی بھی ہے۔

علامہ ذہبیؒ اپنی کتاب ''معرفۃ القراء'' میں امام عاصمؒ اور ان کے دونوں شاگرد امام حفصؒ اور امام ابوبکر بن

عیاشؒ کے متعلق فرماتے ہیں کہ امام حفص بن سلیمانؒ نے فرمایا کہ امام عاصمؒ نے مجھ سے کہا کہ جو قراءت میں تجھے پڑھا رہا ہوں یہ وہی قراءت ہے جس کو میں نے ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ سے سیکھا ہے اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ جو قراءت میں نے ابوبکر بن عیاش کو سکھائی یہ وہی قراءت ہے جس کو میں نے زر بن حبیشؒ سے عرضاً سیکھا اور زر بن حبیش نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سیکھا اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ [۱۳] صاحبِ ''تحبیر التیسیر'' نے مذکورہ بالا سند کو تھوڑے اضافے کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے:

(۱) امام عاصمؒ نے ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ سے قراءت کی تعلیم حاصل کی اور ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ نے حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ سے سیکھی اور ان تمام حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تعلیم حاصل کی تھی۔

(۲) دوسری سند یہ ہے کہ امام عاصمؒ نے زر بن حبیشؒ سے قراءت کی تعلیم حاصل کی اور زر بن حبیشؒ نے حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے اور ان حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تعلیم حاصل کی تھی۔ [۱۴]

امام عاصمؒ نے اپنی قراءت کی توثیق کرتے ہوئے اپنے شاگرد ابوبکر بن عیاشؒ سے فرمایا کہ **"أنه لم يخا لف ابا عبد الرحمٰن فی شئ من قرا ء ته وأن أ با عبد الرحمن لم يخا لف عليا في شئ من قراء ته"** (ابوبکر بن عیاش بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوعبدالرحمٰن کی قراءت میں کسی چیز میں اختلاف نہیں کیا اور نہ ہی ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ نے حضرت علیؓ کی قراءت میں کوئی اختلاف کیا ہے۔) [۱۵]

علامہ ذہبی اپنی کتاب ''معرفۃ القراء'' میں خود اپنی سند اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میں نے پورے کا پورا قرآن کریم ابوالقاسم سحنون المالکی سے پڑھا، المالکی نے ابوالقاسم الصفراوی سے، الصفراوی نے ابوالقاسم بن عطیہ سے، ابوالقاسم بن عطیہ نے ابن الفحام سے، ابن الفحام نے ابن نفیس سے، ابن نفیس نے السامری سے، السامری نے الأشنانی سے، الاشنانی نے عبید بن الصباح سے، الصباح نے امام حفصؒ سے، امام حفص نے امام عاصمؒ سے، امام عاصم نے ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ سے، ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے۔

دوسری سند یہ ہے کہ امام عاصم نے زر بن حبیش سے، زر بن حبیش نے عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور ان دونوں حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے، جبریل علیہ السلام نے اللہ عزوجل سے۔ [۱۶]

امام حفصؒ کی قراءت عوام میں مشہور ومعروف ہونے کی وجوہات

عوام میں امام حفصؒ کی قراءت کے مشہور ومعروف ہونے کی کئی وجوہات ہیں:

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ امام حفصؒ نے امام عاصمؒ سے قراءت کی تعلیم حاصل کی تھی، اور ان کی قراءت کی سند ان صحابہ کرامؓ سے جاملتی ہے جو خلفاء اربعہ، کاتبین وحی اور قراء صحابہ میں سے ہیں۔ یعنی حضرت عثمان غنی، حضرت علی، حضرت اُبی بن کعب، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ امام حفصؒ کی قراءت حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی قراءت ہے، جنہوں نے نبی

کریم ﷺ سے سیکھی ہے' اور حضرت عثمانؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اپنے عہد خلافت میں قراءتِ قرآن میں جب اختلاف رونما ہوا تو اس کو طے کرنے کے لیے آپؓ نے ایک کمیٹی تشکیل دی' اور صحابہ کرام کے مشورے سے نبی کریم ﷺ کی قراءت پر لوگوں کو متحد کیا۔

(۳) امام حفصؒ کی قراءت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے۔ زید بن ثابتؓ کو عہد نبویؐ میں کتابت وحی اور عہد صدیقی میں قرآن کی جمع وتدوین کا شرف حاصل ہے۔ نیز حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں بھی حضرت زیدؓ ہی سے قرآن کی کتابت کرا کر پانچ یا سات نسخے تیار کیے گئے۔ ان تیار شدہ نسخوں کی قراءت کے لیے خصوصاً قاریٔ قرآن کا انتخاب بھی عمل میں لایا گیا تھا' تاکہ قراءتِ قرآن کے اختلاف کو ختم کیا جاسکے' چنانچہ مدنی نسخہ کے لیے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا گیا۔

(۴) امام حفصؒ کی قراءت حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے' اور حضرت ابی بن کعبؓ کی عظمت واضح ہے کہ امام بخاری' حافظ ابن حجر العسقلانی' علامہ جزری وغیرہ نے آپؓ کو سید القراء کے لقب سے متصف کیا ہے۔

(۵) امام حفصؒ کی قراءت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے اور آپؓ کی فضیلت اپنی جگہ مسلم اور ثابت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جن قراء صحابہؓ سے قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کا حکم دیا تھا ان قراء صحابہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ ان مذکورہ اسناد پر غور کرنے کے بعد امام حفصؒ کی قراءت کی ثقاہت میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ امام حفصؒ کی قراءت خط عثمانی کے رسم کے بالکل مطابق ہے اور یہی قراءت آج تمام عالم میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ باقی چھ قراءتیں اور بھی ہیں جو گرچہ مشہور ومعروف ہیں' لیکن ان قراءتوں کا پڑھنا ذرا دشوار معلوم ہوتا ہے' کیونکہ ان قراءتوں کا آج زیادہ رواج نہیں رہا' یہ قراءتیں صرف اور صرف ''شعبہ قراءت'' تک ہی محدود ہو کر رہ گئی ہیں۔ ان قراءتوں کے پڑھنے کے مختلف طریقے ہیں' مثلاً ''مٰلِكِ'' کو ''مَلِكِ''، ''اَلصِّرَاط'' کو ''اَلسِّرَاط'' اور ''اَلضِّرَاط'' وغیرہ پڑھا جاتا ہے۔ ان لفظوں پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ بغیر اعراب اور نقطے کے ''مَالِكِ'' اور ''الصِّرَاط'' پڑھنا زیادہ آسان ہے جو قراءتِ حفص ہے' اسی لیے امام حفصؒ کی قراءت کو شہرتِ دوام حاصل ہوئی۔ یہاں تک کہ حرمین کے ائمہ کرام اور اُمت مسلمہ امام حفصؒ کی روایت کے مطابق قرآن کی تلاوت کرتے ہیں' حالانکہ علامہ سیوطیؒ اور شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ کے مطابق دس قراءتیں اُمت محمدیہ کے پاس بالکل صحیح موجود ہیں' لیکن قراءتِ سبعہ کے خلاف کبھی کسی نے ایک حرف بھی نہیں کہا اور ان میں سے مکہ اور مدینہ والوں کی قراءت خاص قریش ہونے کی وجہ سے زیادہ امتیاز رکھتی ہے' لیکن ان قراءتوں پر قراءۃ امام حفصؒ کو یہ خداداد قبولیت حاصل ہے کہ صدیوں سے مکاتب اور مدارس میں امام حفصؒ کی روایت ہی پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے' اور عوام اسی قراءت سے آشنا ہیں۔

مصادر و مراجع

(۱) شیخ الاسلام شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی، تہذیب التہذیب ۲/۴۰۰، دائرۃ المعارف، حیدر آباد ۱۳۲۵ھ۔

(۲) خیر الدین الزرکلی،الاعلام، ۲/۲۹۱

(۳) تہذیب التہذیب، ج۲/۴۰۰

(۴) شمس الدین ابی الخیر محمد بن محمد بن الجزری، غایۃ النہایہ فی طبقات القراء،۱/ ۲۵۴، مکتبہ الخانجی، مصر، ۱۳۵۱ ھ/ ۱۹۳۲ء۔

(۵) دائرہ معارف الاسلامیہ،۸/ ۴۲۹، دانش گاہ پنجاب،لاہور،۱۳۹۳ ھ/۱۹۷۳ء

(۶) العلامہ الشیخ الملا علی بن سلطان محمد القاری، ملا علی قاری متن الشاطبیہ،ص ۱۴،مطبع مجتبائی الجدید،دہلی۔

(۷) الحافظ ابوالخیر محمد بن محمد بن الجزری، النشر فی القراءات العشر،۱/۱۵۶،مطبع دارالفکر،مصر۔

(۸) محمد بن احمد بن عثمان الذہبی ابو عبداللہ، معرفۃ القراء الکبار، ۱/ ۱۴۰-۱۴۲، مطبع مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت۔

(۹) تہذیب التہذیب ۲/ ۴۰۰۔

(۱۰) ایضاً ۲/ ۴۰۱۔

(۱۱) النشر فی القراءات العشر، ۱/ ۱۵۶۔

(۱۲) تہذیب التہذیب ،ص۲/ ۴۰۰۔

(۱۳) معرفۃ القراء، ۱/۹۱۔

(۱۴) ابن الجزری شمس الدین محمد بن محمد بن علی بن بوسف، تحبیر التیسیر فی القراءات العشر، ۱/۱۱۹، مطبع دارالفرقان، اردن ،عمان، ۱۴۲۱۔

(۱۵) معرفۃ القراء الکبار،۱/ ۹۱۔

(۱۶) ایضاً،۱/۹۳۔

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص: 45 روپے اشاعت عام: 25 روپے

تاریخ اسلام اور مستشرقین

بسلسلہ : تحریک استشراق : ایک تعارف (۲)

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

مستشرقین نے علوم اسلامیہ کی دیگر شاخوں کے ساتھ تاریخ پر بھی بہت کام کیا ہے اور اس میدان میں بھی ان کی تحقیق کا ایک بڑا حصہ بہتان، جھوٹ اور بے سروپا کہانیوں پر مبنی ہے تاکہ دین اسلام کی تصویر کو مسخ کیا جاسکے۔ فرانسیسی مستشرق کازانوفے (Paul Casanova (1861-1926 کا دعویٰ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے کسی کو اس لیے اپنا خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا کہ آپ کا یقین تھا کہ آپ کی وفات کے ساتھ ہی قیامت قائم ہو جائے گی اور یہ دنیا ختم ہو جائے گی۔ اس کا کہنا یہ بھی ہے کہ جب آپ کی وفات کے ساتھ دنیا ختم نہ ہوئی تو ابوبکر صدیق کو قرآن مجید میں دو آیات ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓي اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۭ﴾ (آل عمران:۱۴۴) اور ﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝۳۰﴾ (الزمر) کا اضافہ کرنا پڑا۔ کارل بروکلمان نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی مسلمانوں کا باہمی بغض وعناد پھٹ پڑا اور وہ باہم دست گریبان ہو گئے۔ جولیس ولہاوزن کا کہنا یہ ہے کہ آپ کی وفات کے ساتھ ہی دینداری ختم ہو گئی، قبائل مرتد ہو گئے اور کوئی نظم نہ ہونے کی وجہ سے جس کے ہاتھ اقتدار لگا، اُس نے اس پر قبضہ جما لیا۔ (۱)

ذیل میں ہم ان معروف مستشرقین میں سے چند ایک کے احوال اور نظریات کا جائزہ لے رہے ہیں جو تاریخ اسلامی میں بحث وتحقیق کے حوالے سے معروف ہیں۔

رینالڈ آلین نکلسن (Reynold Alleyne Nicholson) ۱۸۶۸۔۱۹۴۵ء

نکلسن برطانوی انگریز مستشرق ہے۔ اس نے اپنی تعلیم یونیورسٹی آف کیمبرج سے مکمل کی اور یہاں ہی ۱۹۰۲ء سے لے کر ۱۹۲۶ء تک فارسی زبان کے لیکچرر کے طور اپنی خدمات پیش کیں۔ اس کے بعد ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۳ء تک کیمبرج میں ہی عربی زبان کے پروفیسر کے طور کام کیا۔

نکلسن اسلامی لٹریچر اور صوفی ازم میں ایک ماہر اسکالر کے طور پر معروف ہے۔ بعض لوگ اسے رومی اسکالر بھی کہتے ہیں کہ اس نے مولانا روم کی مثنوی کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۴۰ء کے مابین ۸ جلدوں میں شائع ہوا۔ اُس نے اپنے شاگرد علامہ اقبالؒ کی کتاب 'اسرارِ خودی' کا بھی فارسی سے انگریزی میں "The Secrets of the Self" کے نام سے ترجمہ کیا۔ اس کی معروف کتب میں

A Literary History of the Arabs اور The Mystics of Islam ہیں جو بالترتیب ۱۹۰۷ء اور ۱۹۱۴ء میں شائع ہوئیں۔

نکلسن نے عربوں کی تاریخ بیان کرتے ہوئے اپنے پیش روؤں میں سے کریمر (Alfred Von Kremer 1828-1889)، گولڈزیہر، نولڈکے اور ولہاؤزن (Julius Wellhausenl 844-1918) سے بہت استفادہ کیا ہے۔ اُس نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں یہ بات بھی بیان کی ہے کہ اگرچہ میں نے بہت سے مقامات پر حوالہ نہیں دیا لیکن میری کتاب کا قاری اس کتاب کے مطالعہ کے دوران یہ ضرور محسوس کرے گا کہ اس کتاب میں کریمر، گولڈزیہر، نولڈکے اور ولہاؤزن جیسی رہنما اور سند کی حیثیت رکھنے والی شخصیات سے کس قدر استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کا کہنا یہ بھی ہے کہ میں نے انہی کے کام کو دراصل اپنی اس کتاب میں پیش کیا ہے۔ (۲)

نکلسن نے اپنی تاریخ کے جو مصادر بیان کیے ہیں، ان کے متعصب (biased) ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے اور استشراق کا ایک طالب علم بھی اس بات کو بخوبی جانتا ہے۔ نکلسن کے مصادر کی طرح یہ تعصب اس کی اپنی تحریروں میں بھی ہمیں ملتا ہے، مثلاً خلافت راشدہ اور بنواُمیہ کی خلافت کے بارے میں اس کا خیال ہے کہ بنوعباس کی خلافت کے مقابلے میں یہ کسی حد تک بنجر اور فارغ دورِ حکومت تھا، کیونکہ بنوعباس ہی نے پہلی بار ایرانیوں کو اپنے قریب کیا اور ان کی تہذیب وتمدن اور علوم وفنون کو اسلامی افکار میں مناسب جگہ دی۔ (۳)

وہ ایک طرف بنوعباس کی روشن خیالی کی وجہ سے ان کی تعریف کرتا ہے تو دوسری طرف بنواُمیہ کے بارے میں اس کا خیال یہ ہے کہ ان میں رتی برابر بھی دین موجود نہیں تھا۔ (۴) لیکن بنواُمیہ ہو یا بنوعباس وہ دونوں کی حکومتوں کو استبدادی حکومت قرار دیتا ہے۔

نکلسن کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے کہ اسلامی روایات ہمیں یہ بتلاتی ہیں کہ بنواُمیہ کا دین سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ بنواُمیہ میں اگرچہ وہ دینداری نہیں تھی جو خلفائے راشدین میں تھی، لیکن ان میں بھی کچھ ایسے خلفاء ہمیں ملتے ہیں جو دینداری کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (۶۱۔۱۰۱ھ) وغیرہ۔

بنوامیہ کا دورِ حکومت اگرچہ خلافتِ راشدہ کے برابر تو نہیں ہے لیکن مجموعی پہلو سے بنوعباس کے دورِ خلافت سے بہتر ہے۔ اگرچہ کمیاں کوتاہیاں اور شر کے پہلو دونوں ادوار میں موجود ہیں (۵) لیکن عمر بن عبدالعزیزؒ (۶۱۔۱۰۱ھ) جیسے خلیفۂ راشد بنواُمیہ میں ہی پیدا ہوئے کہ جنہیں عمر ثانی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ 'اطلس تاریخ اسلام' کے مصنفین کا کہنا ہے کہ بنوامیہ کے دور میں سلطنتِ اسلامیہ کی حدود میں صحیح معنوں میں اضافہ ہوا ہے اور بنوامیہ نے جو سلطنت بنوعباس کو دی تھی، وہ اس میں اضافہ نہ کر سکے، بلکہ اس کے برعکس کچھ مفتوحہ علاقے بھی گنوا بیٹھے تھے۔ بنواُمیہ نے ایک طرف فارسیوں اور ترکوں کو اسلام میں داخل کیا تو دوسری طرف محمد بن قاسمؒ کے ذریعے ہندوستان میں اسلام کے دروازے کھول دیے۔ قتیبہ بن مسلم نے ماوراء النہر کے رستے چین تک اسلامی حدود کو وسعت دی تو مسلمہ بن عبدالملک نے وسطِ ایشیا کی ریاستوں پر دستک دی۔ اسی طرح اندلس کے رستے یورپ میں ایک اسلامی ریاست کا قیام بھی بنواُمیہ کا کارنامہ ہے۔ شمالی افریقہ کا علاقہ بھی بنواُمیہ ہی کے دور میں فتح ہوا۔ (۶)

اس کے برعکس بنوعباس محض بنوامیہ کے مفتوحہ علاقوں کی حفاظت پر لگے رہے اور سلطنت اسلامیہ میں ترکی

کے مشرق میں موجود ایک چھوٹے سے علاقے کے علاوہ کوئی خاطر خواہ اضافہ نہ کر سکے۔

کارل بروکلمان (Carl Brockelmann) ۱۸۶۸۔۱۹۵۶ء

کارل بروکلمان جرمن مستشرق ہے۔ وہ یونیورسٹی آف برلن میں بطور پروفیسر پڑھاتا رہا۔ اس کے معروف علمی کام میں عربی زبان وادب کی تاریخ پر کئی جلدوں میں اس کی کتاب Geschichte der arabischen Litteratur ہے جو ۱۸۹۸ء سے ۱۹۰۲ء کے مابین شائع ہوئی۔ اس کتاب کا عربی زبان میں ترجمہ ڈاکٹر عبدالحلیم نجار نے 'تاریخ الأدب العربی' کے نام سے کیا ہے' جسے دارالمعارف نے شائع کیا ہے۔ اس کی دیگر کتب میں Syrische Grammatik mit Litteratur اور Chrestomathie und Glossar اور Semitische Sprachwissenschaf اور Lexicon syriacum ہیں۔

تاریخ اسلام پر بروکلمان کی معروف کتاب Geschichte der islamischen Völker und Staaten ہے جس کا انگریزی ترجمہ "History of the Islamic Peoples" کے نام سے ہوا ہے اور اس کے مترجمین جوئل کارمائیکل (Joel Carmichael) اور موشے پرلمان (Moshe Perlmann) ہیں۔ اس ترجمے کا پہلا ایڈیشن ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب کا عربی ترجمہ 'تاریخ الشعوب الاسلامیۃ' کے نام سے ہوا ہے اور اس کے مترجمین نبیہ امین فارس اور منیر البعلبکی ہیں۔ اسے دارالعلم للملایین' بیروت نے شائع کیا ہے۔ عربی ترجمے کا پہلا ایڈیشن ۱۹۴۸ء میں شائع ہوا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ بروکلمان کی یہ کتاب اسلام کے خلاف جھوٹ اور بہتان سے بھری پڑی ہے۔ بیت اللہ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے حجر اسود کے بارے میں بروکلمان یہ کہتا ہے کہ یہ اس علاقے کا قدیم ترین بت ہے کہ جس کی عبادت کی جاتی رہی۔ (۷) بروکلمان اپنے اس بیان کے ذریعے صرف یہ کہنا چاہتا ہے کہ حجر اسود عرب قوم کا ایک بت تھا کہ جس کی قدیم زمانے سے پوجا کی جاتی رہی تھی اور اسلام میں بھی اس بت کے اس مقام کو برقرار رکھا گیا ہے۔

یہ بات تاریخ عرب کا ایک ادنیٰ سا طالب علم بھی جانتا ہے کہ مشرکین نے کبھی بھی حجر اسود کی عبادت نہیں کی جیسا کہ وہ لات' منات' عزیٰ اور ہبل وغیرہ کو پوجتے تھے۔ حجر اسود اُن کے باطل معبودوں میں کبھی بھی نہیں رہا۔ رہی بات حجر اسود کے بوسہ لینے کی تو یہ ہرگز اس کی پوجا کے مترادف نہیں ہے' جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حجر اسود کا بوسہ لیتے ہوئے یہ الفاظ کہے:

وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاُقَبِّلُكَ' وَاِنِّیْ اَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ' وَاَنَّكَ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ' وَلَوْلَا اَنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَبَّلَكَ مَا قَبَّلْتُكَ (۸)

''اللہ کی قسم! میں تمہیں بوسہ دے رہا ہوں جبکہ میں خوب جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے' اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تو نہ تو کوئی نفع دے سکتا ہے اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اور اگر میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔''

اور اس کو بوسہ دینے کا پس منظر بھی یہ ہے کہ یہ جنتی پتھر ہے اور بوسہ کے ذریعے بنو آدم کے گناہ اپنے اندر سمو

لیتا ہے‘ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے بندوں کے گناہوں کی بخشش کا ایک ذریعہ بنایا ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

((نَزَلَ الْحَجَرُ الْاَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَهُوَ اَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِيْ آدَمَ))(۹)

’’حجر اسود جنت سے نازل ہوا اور اس کا رنگ دودھ سے زیادہ سفید تھا‘ لیکن بنو آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا۔‘‘

حضرت خالد بن ولید ؓ کو حضرت ابوبکر ؓ کے دورِ خلافت میں مرتدین کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا۔ ان مرتدین میں سے کچھ لوگ ایسے تھے کہ جنہوں حضرت خالد بن ولید ؓ کا مقابلہ کرنے کی بجائے دوبارہ اسلام قبول کرنے کو ترجیح دی۔ بروکلمان کے بقول انہی میں سے ایک مالک بن نویرہ بھی تھا جس کا دوبارہ اسلام لانا حضرت خالدؓ نے اُس کی خوبصورت بیوی سے شادی کرنے کی خواہش میں قبول نہ کیا تھا اور اسے ناحق قتل کر دیا تھا۔(۱۰)

اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے جب حضرت خالد بن ولید ؓ کو مرتدین کی سرکوبی کے لیے بھیجا تھا تو یہ ہدایت جاری کی تھی کہ جب بھی کسی قبیلے یا قوم سے سامنا ہو تو پہلے یہ دیکھیں کہ وہ اذان دے کر نماز پڑھتے ہیں یا نہیں۔ اگر تو وہ لوگ نماز کے لیے جمع ہوتے ہوں تو ان سے زکوٰۃ کا سوال کریں۔ اگر وہ زکوٰۃ بھی ادا کر دیں تو ان کا رستہ چھوڑ دیں۔

جب مسلمان گھڑ سواروں کا ایک دستہ مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کے پاس آیا تو ان میں اس بات میں اختلاف ہو گیا کہ مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں نے اذان یا اس کا جواب دیا ہے یا نہیں۔ ابوقتادہ ؓ کا کہنا یہ تھا کہ انہوں نے اذان کہی ہے اور نماز بھی پڑھی ہے‘ جبکہ بقیہ لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ ہم نے انہیں نہ تو اذان کہتے سنا ہے اور نہ ہی نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ حضرت خالد بن ولید ؓ تک جب یہ معاملہ پہنچا تو انہوں نے کہا کہ انہیں فی الحال قید کر لو‘ بعد میں ان کا معاملہ دیکھتے ہیں۔ رات کو سخت سردی پڑی تو حضرت خالد بن ولید ؓ کے منادی نے ’’**دافئوا أسراکم**‘‘ کی آواز لگائی‘ جس کا معنی تھا کہ اپنے قیدیوں کو گرم کپڑے فراہم کرو۔ لیکن بنو کنانہ کی زبان میں اس کا مطلب قتل کرنے کا تھا‘ لہٰذا ضرار بن اَزور جو قیدیوں کی نگرانی پر مامور تھے اور وہ کنانی تھے‘ انہوں نے مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا۔ حضرت خالد بن ولید ؓ چیخ و پکار سن کر باہر نکلے اور انہیں اس معاملے کا علم ہوا تو انہوں نے اسے اللہ کی تقدیر قرار دیا۔ اس کے قتل کے بعد حضرت خالد بن ولید ؓ نے اُس کی بیوی سے شادی کر لی۔ مالک بن نویرہ کے بھائی نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ؓ سے اس بارے میں بات کی تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر ؓ کو خالد بن ولید ؓ کو معزول کرنے کا مشورہ دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے مالک بن نویرہ کے قتل کے معاملے میں تو حضرت خالد کی معذرت قبول کر لی اور اس کی دیت ادا کر دی‘ لیکن اس کی بیوی سے شادی کے معاملے میں انہیں سرزنش کی کہ یہ اہلِ عرب کی روایت کے خلاف ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے حضرت خالد ؓ کو اُن کے عہدے پر برقرار رکھا۔ اس روایت کو ابن الاثیر (متوفی ۶۳۰ھ) اور ابن خلدون (متوفی ۸۰۸ھ) نے بیان کیا ہے(۱۱) جبکہ مالک بن نویرہ کے قتل کی کیفیت کو کچھ فرق کے ساتھ بیان کرتے ہوئے تقریباً ایسا ہی واقعہ امام ابن کثیرؒ (متوفی ۷۷۴ھ) نے بھی نقل کیا ہے۔(۱۲)

اس واقعے پر مزید تبصرہ سے پہلے ہم یہ بیان کرنا چاہیں گے کہ حضرت خالد بن ولید ؓ کو اللہ کے رسول ﷺ نے جنگ موتہ کے موقع پر 'سیف اللہ' یعنی اللہ کی تلوار قرار دیا تھا اور اسی وقت سے ان کا نام ہی یہی پڑ گیا تھا۔ (۱۳)

بروکلمان نے یہ واقعہ یعقوبی اور اصفہانی سے نقل کیا ہے۔ تاریخ یعقوبی کے مصنف کا نام احمد بن ابی یعقوب (متوفی ۲۹۰ھ) ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت نے تاریخ کی اس کتاب کو شیعہ امامیہ فرقے کے منہج پر لکھی گئی تواریخ کے مصادر میں سے شمار کیا ہے' کیونکہ صاحب کتاب نے خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے لیے خلیفہ کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے اور حضرت علی ؓ کو اللہ کے رسول ﷺ کا وصی قرار دیا ہے۔ اس تاریخ میں حضرت خالد بن ولید ؓ کے علاوہ خلفائے ثلاثہ' حضرت عائشہ' حضرت عمرو بن العاص اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی جھوٹی اور واہیات خبریں نقل کی گئی ہیں۔ تاریخ کی جس کتاب میں "بيان كفر أبي بكر وعمر" کے نام سے باقاعدہ باب باندھا گیا ہو' اس کے متعصب یا جھوٹا ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے!

جہاں تک ابوالفرج علی بن الحسین اصفہانی (متوفی ۳۵۶ھ) کی کتاب کا معاملہ ہے تو وہ ادب کی کتاب ہے نہ کہ تاریخ کی۔ ابوالفرج اصفہانی کی اس کتاب کے بارے میں بھی اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ اہل تشیع کے منہج پر مرتب کی گئی ہے۔ خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ)' علامہ ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ) اور امام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) وغیرہ نے اس کتاب پر اس اعتبار سے شدید نقد کی ہے کہ یہ رطب و یابس کا مجموعہ ہے اور کذب و افتراء سے بھری پڑی ہے۔ (۱۴) یہ دونوں کتابیں تاریخ اسلام پر طعن کے لیے مستشرقین کے بنیادی مصادر میں سے ہیں۔ (۱۵)

بروکلمان کا دعویٰ یہ بھی ہے کہ عراق کے موالی (غیر عرب مسلمانوں) کو اسلام قبول کرنے کے بعد بھی دوسرے درجے کا شہری سمجھا جاتا تھا۔ (۱۶)

بروکلمان کا یہ دعویٰ جھوٹ پر مبنی ہے۔ تاریخ اسلامی کے سینکڑوں واقعات اس بات پر شاہد ہیں کہ موالی (غیر عرب مسلمانوں) کو عرب مسلمانوں کے برابر حقوق حاصل تھے۔ قاضی شریح جو کہ حضرت عمر ؓ کے زمانے سے عبدالملک بن مروان کے زمانے تک کوفہ کے قاضی رہے' موالی میں سے تھے۔ بعد ازاں حجاج بن یوسف ثقفی نے سعید بن جبیر کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تو لوگوں کے اعتراض پر ابو بردہ کو مقرر کر دیا' لیکن ساتھ ہی انہیں یہ حکم بھی دے دیا کہ کسی بھی امر کا فیصلہ سعید بن جبیر کے مشورے کے بغیر نہ کریں۔ عامر شعبی کوفہ میں جبکہ حسن بصری بصرہ میں اور عبداللہ بن یزید مصر کے قاضی تھے اور یہ سب موالی میں سے تھے۔ یزید بن ابی حبیب' عبداللہ بن جعفر اور لیث بن سعد مصر کے کبار مفتیوں میں سے تھے اور یہ بھی موالی میں سے تھے۔ (۱۷)

امام زہری اور عبدالملک بن مروان کے مابین پہلی ملاقات کا ایک مکالمہ بہت معروف ہے جسے علامہ ابن جوزی نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔ اس مکالمہ کے الفاظ یہ ہیں:

"قدمتُ على عبد الملك بن مروان، فقال لي: من أين [قدمتَ] يا زهري؟ قلتُ من مكة،

فقال: من خلفتَ بها يسود أهلها؟ قلتُ: عطاء بن أبى رباح، قال: فمن العرب أم من الموالى؟ قلتُ: من الموالى، قال: وبم سادهم؟ قلتُ: بالدّيانة والرواية، قال: إنّ أهل الديانة والرواية لينبغى أن يسودوا، فمن يسود أهل اليمن؟ قلتُ: طاؤس بن كيسان۔ قال: من العرب أم من الموالى؟ قلتُ: من الموالى، قال: وبم سادهم؟ قلتُ: بما سادهم به عطاء، قال: إنه لينبغى۔ قال: فمن يسود أهل مصر؟ قلتُ: يزيد بن أبى حبيب، قال: فمن العرب أم من الموالى؟ قلتُ: من الموالى، قل: فمن يسود أهل الجزيرة؟ قلتُ: ميمون بن مهران، قال: فمن العرب أم من الموالى؟ قلتُ: من الموالى، قال: فمن يسود أهل البصرة؟ قلتُ: الحسين بن أبى الحسين، قال: فمن العرب أم من الموالى؟ قلتُ: من الموالى، قال: ويلك، فمن يسود أهل الكوفة؟ قلتُ: إبراهيم النخعى، قال: فمن العرب أم من الموالى؟ قلتُ: من العرب، قال: ويلك يا زهرى، فرجت عنى، واللّٰه ليسودن الموالى على العرب حتى يخطب لها على المنابر والعرب تحتها، قلتُ: يا أمير المؤمنين، إنما هو أمر اللّٰه ودينه، فمن حفظه ساد، ومن ضيّعه سقط۔" (۱۸)

''میں [زہری] عبدالملک بن مروان کے پاس آیا تو اُس نے مجھے کہا: تم کہاں سے آئے ہو؟ میں نے جواب دیا: مکہ سے ہوں۔ اُس نے کہا: اپنے پیچھے مکہ کی سیادت کس کے ہاتھ چھوڑ کر آئے ہو؟ میں نے جواب دیا: عطاء بن ابی رباح۔ اُس نے کہا: وہ عرب ہیں یا موالی میں سے ہیں؟ میں نے جواب دیا: موالی میں سے ہیں۔ اس نے کہا: وہ کس وجہ سے سیادت کے اہل ہیں؟ میں نے جواب دیا: دیانت اور روایت میں اہلیت کی بنیاد پر۔ اُس نے کہا: بلاشبہ یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ جس کی بنیاد پر سیادت ملنی چاہیے۔ اُس نے کہا: اہلِ یمن کی سیادت کس کے پاس ہے؟ میں نے جواب دیا: طاؤس بن کیسان کے پاس۔ اُس نے کہا: وہ عرب ہیں یا موالی میں سے ہیں؟ میں نے جواب دیا: موالی میں سے ہیں۔ اُس نے کہا: وہ کس وجہ سے سیادت کے اہل ہیں؟ میں نے جواب دیا: جس وجہ سے عطاء بن ابی رباح ہیں۔ اُس نے کہا: وہ اس لائق ہیں۔ اُس نے کہا: اہلِ مصر کی سیادت کس کے پاس ہے؟ میں نے جواب دیا: یزید بن ابی حبیب کے پاس۔ اُس نے کہا: وہ عرب ہیں یا موالی میں سے ہیں؟ میں نے جواب دیا: موالی میں سے ہیں۔ اُس نے کہا: اہل جزیرہ کی سیادت کس کے پاس ہے؟ میں نے جواب دیا: میمون بن مہران کے پاس۔ اُس نے کہا: وہ عرب ہیں یا موالی میں سے ہیں؟ میں نے جواب دیا: موالی میں سے ہیں۔ اُس نے کہا: اہل بصرہ کی سیادت کس کے پاس ہے؟ میں نے کہا: الحسین بن ابی الحسین کے پاس۔ اُس نے کہا: وہ عرب ہیں یا موالی میں سے ہیں؟ میں نے جواب دیا: موالی میں سے ہیں۔ اُس نے کہا: ستیاناس ہو اہل کوفہ کی سیادت کس کے پاس ہے؟ میں نے جواب دیا: ابراہیم نخعی کے پاس۔ اُس نے کہا: وہ عرب ہیں یا موالی میں سے ہیں؟ میں نے جواب دیا: عرب میں سے ہیں۔ اُس نے کہا: ستیاناس ہو تم نے مجھے خوش کر دیا۔ اللہ کی قسم! یہ موالی' عربوں پر غالب آ جائیں گے۔ یہ منبروں پر خطبے دیں گے اور عرب ان کے سامنے بیٹھ کر سنیں گے۔ میں نے کہا: امیر المؤمنین! یہ اللہ کے دین کا معاملہ ہے۔ جس نے اس کی حفاظت کی' اسے سیادت ملے گی اور جس نے اسے ضائع کیا تو اس کا مقام گر جائے گا۔''

فیلپ خوری ہٹی (Philip Khuri Hitti) ۱۸۸۶۔۱۹۷۸ء

فیلپ خوری ہٹی لبنانی عیسائی اسکالر ہے' جس نے 'مطالعہ عرب ثقافت' کا موضوع امریکہ میں متعارف کروایا۔ امریکن یونیورسٹی آف بیروت سے تعلیم حاصل کی اور تعلیم سے فراغت کے بعد یہیں سے اپنی تدریس کا آغاز کیا۔ اُس نے ۱۹۱۵ء میں کولمبیا یونیورسٹی' امریکہ سے سامی زبانوں کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۲۶ء سے لے کر ۱۹۵۴ء تک پرنسٹن یونیورسٹی' امریکہ میں سامی (Semitic) ادب کا پروفیسر اور مشرقی زبانوں کے شعبہ کا چیئرمین رہا۔ اس کی معروف کتب میں History of the Arabs ہے جو پہلی مرتبہ ۱۹۳۷ء میں شائع ہوئی۔ علاوہ ازیں کتب میں The Arabs: A Short History اور History of Syria: including Lebanon and Palestine اور Lebanon in History اور The Near East in History اور Islam and the West اور Makers of Arab History اور Islam: A Way of Life اور Capital cities of Arab Islam ہیں' جو بالترتیب ۱۹۴۳ء' ۱۹۵۷ء' ۱۹۵۷ء' ۱۹۶۱ء' ۱۹۶۲ء' ۱۹۶۸ء' ۱۹۷۰ء' ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئیں۔

پروفیسر فیلپ خوری ہٹی نے اگرچہ اپنی بعض تحریروں میں اسلام کے حق میں کلمہ خیر بھی کہا ہے لیکن اس کی اس کتاب میں کئی ایک ایسے تاریخی واقعات منقول ہیں کہ جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ ہٹی کا کہنا ہے کہ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے بیت المقدس میں قبۃ الصخرۃ اس لیے بنوایا تھا کہ مکہ کے حاجیوں کے قافلوں کا رخ بیت اللہ سے ہٹا کر بیت المقدس کی طرف پھیر دے' کیونکہ بیت اللہ پر اس وقت حضرت عبداللہ بن زبیر کا قبضہ تھا۔ (۱۹)

ہٹی نے عبدالملک بن مروان کے بارے میں اس خبر کی بنیاد 'تاریخ یعقوبی' کو بنایا ہے' جس کے مستند نہ ہونے کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ یہ بات البتہ درست ہے کہ عبدالملک بن مروان (۲۶۵ھ) کے مقابلے میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما (۷۳ھ) خلافت کے زیادہ حقدار اور اہل تھے۔ وہ نہ صرف صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے بلکہ یزید کے بعد مسلمانوں کے نو سال تک خلیفہ رہے۔ ان کی خلافت پہلے حجاز میں قائم ہوئی اور اس کے بعد عراق' مصر اور دیگر بلادِ اسلامیہ تک پھیل گئی۔ (۲۰)

ہیملٹن گب (Hamilton Alexander Rosskeen Gibb) ۱۸۹۵۔۱۹۷۱ء

ہیملٹن الیگزینڈر راسکین گب اسکاٹش مستشرق ہے۔ ابتدائی تعلیم یونیورسٹی آف ایڈنبرگ سے حاصل کی۔ اس نے پہلی جنگ عظیم کے دوران برطانوی شاہی رجمنٹ (Royal Regiment of Artillery) کے ایک سپاہی اور آفیسر کے طور پر فرانس اور اٹلی میں کام کیا۔ اسے اس کی جنگی خدمات پر ماسٹر آف آرٹس کا ایوارڈ بھی دیا گیا۔ جنگ کے خاتمے پر اس نے لندن یونیورسٹی میں School of Oriental and African Studies میں عربی زبان کی تعلیم حاصل کی اور ۱۹۲۲ء میں یہیں سے ایم اے کیا۔ گِب ۱۹۳۰ء میں اسی یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر ہوا اور ۱۹۳۷ء تک اُس نے یہاں عربی زبان کی تعلیم دی۔ اس دوران وہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (Encyclopaedia of Islam) کا ایڈیٹر بھی رہا۔ ۱۹۵۵ء میں ہارورڈ یونیورسٹی کو بطور عربی

پروفیسر جائن کیا۔

اس کی معروف کتب میں Arabic Literature: An Introduction اور Modern Trends in Islam اور Studies on the Civilization of Islam اور Shorter Encyclopedia of Islam ہے' جس کی اس نے ایڈیٹنگ کی ہے اور یہ ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا ہے۔

تاریخ اسلام پر اس کی کتاب Mohammedanism: An Historical Survey کے نام سے ہے' جو پہلے ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی اور پھر ۱۹۸۰ء میں ایک نئے عنوان Islam: An Historical Survey کے ساتھ شائع ہوئی۔

ہیملٹن کا اسلام کے بارے میں موقف تضادات کا مجموعہ ہے' مثلاً کبھی وہ قرآن مجید پر نقد کرنا شروع کر دیتا ہے(۲۱) تو کبھی اس کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتا ہے۔(۲۲) بعض اہلِ علم نے اسے اس کا فکری ارتقاء بھی قرار دیا ہے۔

"موسوعة المستشرقين" کے مؤلف ڈاکٹر عبدالرحمٰن بدوی کا کہنا یہ ہے کہ ہیملٹن کا اتنا علم نہیں ہے جتنا یہ معروف ہو گیا ہے اور اس کی شہرت کے اسباب بھی اس کے علمی کام کے علاوہ اس کی کچھ حرکات ہیں۔(۲۳) ہیملٹن گِب کے افکار کا محاکمہ ڈاکٹر ناصر عبدالرزاق الملا جاسم نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے "المُستشرق هاملتون جب: دراسة نقدية لتطور موافقه من التاريخ والحضارة العربية الإسلامية" میں کیا ہے۔ علاوہ ازیں جامعہ ازہر سے سعید سلیم محمد رضوان نے بھی "شبهات المستشرق هاملتون حول الإسلام من خلال كتابه فى حضارة الإسلام وتفنيدها" میں بھی ہیملٹن کے افکار کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔

برنارڈ لیوس (Bernard Lewis) ۱۹۱۶ء

برنارڈ لیوس برطانوی نژاد امریکی یہودی مستشرق ہے جو پرنسٹن یونیورسٹی میں اعزازی پروفیسر ہے اور ابھی تک حیات ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں برطانوی شاہی بکتر بند کور (Royal Armoured Corps) میں ایک سپاہی کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔ جنگ سے واپسی پر ۱۹۴۹ء میں یونیورسٹی آف لندن میں School of Oriental and African Studies (Near and Middle Eastern History) میں مشرق قریب اور مشرق وسطیٰ کی تاریخ کا استاذ مقرر ہوا۔ ۱۹۳۶ء میں اس نے یونیورسٹی آف لندن سے مشرق وسطیٰ کی تاریخ پر بی اے کی ڈگری حاصل کی اور اس کے تین سال بعد ہی تاریخ اسلام میں اسی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کر لی۔ ۱۹۳۷ء میں یونیورسٹی آف پیرس سے پوسٹ گریجویشن کی تعلیم کے سلسلے میں منسلک ہوا' لیکن ایک ہی سال بعد ۱۹۳۸ء میں یونیورسٹی آف لندن کو اسسٹنٹ لیکچرر کے طور پر جوائن کر لیا۔ ۱۹۷۴ء میں پرنسٹن یونیورسٹی' امریکہ سے منسلک ہوا۔ ۱۹۸۶ء میں یہاں سے ریٹائرمنٹ کے بعد اس نے کارنل یونیورسٹی (Cornell University) کو جوائن کیا۔

۱۹۶۶ء میں اس نے شمالی امریکہ کی علمی سوسائٹی Middle East Studies Association of

North America (MESA) کو بطور تاسیسی ممبر کے جوائن کیا' لیکن ۲۰۰۷ء میں اس نے اس تنظیم کو چھوڑ کر اپنی نئی تنظیم Association for the Study of the Middle East and Africa (ASMEA) کے نام سے بنالی' کیونکہ پہلی تنظیم میں ایسے امریکن اسکالرز کی کثرت تھی جو مشرق وسطیٰ میں امریکی اور اسرائیلی کردار پر شدید نقد کرتے تھے' جبکہ برنارڈ لیوس امریکی اور اسرائیلی حکومت کا پُرزور حمایتی تھا۔

۱۹۹۰ء میں اس نے امریکی وفاقی حکومت کے تحت اپنے مشہور زمانہ لیکچرز دیے جو بعد ازاں The Roots of Muslim Rage کے نام سے شائع ہوئے ۔اس کی کتب میں The Origins of Ismailism (1940) اور The Arabs in History (1950) اور Istanbul and the Civilizations of the Ottoman Empire (1963) اور The Middle East and the West (1964) اور The Assassins: A Radical Sect in Islam (1967) اور History - The Muslim Discovery of Europe (1982) اور Remembered, Recovered, Invented (1975) اور The Jews of Islam (1984) اور Islam from the Prophet Muhammad to the Capture of Constantinople (1987) اور The Political Language of Islam (1988) اور Islam and the West (1993) اور Islam in History (1993) اور The Shaping of the Modern Middle East (1994) اور Cultures in Conflict (1994) اور The Middle East: A Brief History of the Last 2,000 Years (1995) اور The Future of the Middle East (1997) اور What Went Wrong?: The Clash Between Islam and Modernity in the Middle East (2002) اور The Crisis of Islam: Holy War and Unholy Terror (2003) اور From Babel to Dragomans: Interpreting the Middle East (2004) اور Islam: The Religion and the People (2008, with Buntzie Ellis Churchill) اور Faith and Power: Religion and Politics in the Middle East (2010) اور The End of Modern History in the Middle East (2011) ہیں۔

برنارڈ لیوس کو مغرب میں مشرق وسطیٰ کی تاریخ پر ایک سند کی حیثیت سے پڑھا جاتا ہے۔ اس کے اثر ورسوخ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بش انتظامیہ اپنے دور حکومت میں اس کے مشوروں سے پالیسی مرتب کرتی تھی۔ اسے The most influential postwar historian of Islam and the Middle East کا ٹائٹل بھی دیا گیا۔

فلسطینی نژاد پروٹسٹنٹ مستشرق ایڈورڈ سعید (Edward Said) نے برنارڈ لیوس کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ ان کی کتاب "Orientalism" اپنے موضوع پر ایک مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب نے یورپ میں تحریک استشراق کو دیکھنے کا تناظر ہی بدل ڈالا۔ ایڈورڈ سعید اور برنارڈ لیوس کے مابین تقریباً پچیس سال تک زبردست قلمی مکالمہ (bloody academic battle) ہوا۔ ان دونوں کے اثر ورسوخ کی وجہ سے مغرب میں مشرق وسطیٰ اور اسلام کی تاریخ کے حوالہ سے دو مستقل مکاتب فکر وجود میں آ گئے ہیں۔ ایڈورڈ سعید نے برنارڈ

لیوس کو صہیونی سازشوں کا شکار ہونے اور اسرائیل کی وسعت کے لیے پروپیگنڈا مہمیں چلانے کا بھی الزام دیا ہے۔ (۲۴)

ڈاکٹر مازن صلاح مطبقانی نے اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ برنارڈ لیوس پر کیا ہے جس کا عنوان "**منهج المستشرق برنارد ليوس فى دراسة الجوانب الفكرية فى التاريخ الإسلامى**" ہے۔ ڈاکٹر سامی احمد الزھو کا پی ایچ ڈی کا مقالہ بھی برنارڈ لیوس کے بارے میں ہے' جس کا عنوان "**اتجاهات الاستشراق الإمريكى والتاريخ الإسلامى: برنارد ليوس أنموذجا**" ہے۔

مصادر و مراجع:

ا۔ فاروق عمر فوزی الأستاذ الدکتور، الاستشراق والتاریخ الإسلامی، منشورات الأهلیة، لبنان، ۱۹۹۸ء، ص۷۹۔ ۸۰۔

2- Finally, it behoves me to make a full acknowledgement of my debt to the learned Orientalists whose works I have studied and freely 'conveyed' into these pages. References could not be given in every case, but the reader will see for himself how much is derived from Von Kremer, Goldziher, Noldeke, and Wellhausen, to recall only a few of the leading authorities. (Reynold, A. Nicholson, Literary History of the Arabs, New York: Charles Scribner's Sons, 1907, p. xii)

3- The Abbasids were no less despotic than the Umayyads, but in a more enlightened fashion; for, while the latter had been purely Arab in feeling, the Abbasids owed their throne to the Persian nationalists, and were imbued with Persian ideas, which introduced a new and fruitful element into Moslem civilization. (Ibid., p. 182); From our special point of view the Orthodox and Umayyad Caliphates, which form the subject of the present chapter, are somewhat barren. (Ibid., p. 183)

4- According to moslem notions the Umayyads were kings by right, Caliphs only by courtesy. They had, as we shall see, no spiritual title, and little enough religion of any sort. (Ibid., p. 181)

۵۔ بنوامیہ میں اگر حجاج (متوفی ۹۵ھ) ہے تو بنوعباس میں سفاح (متوفی ۱۳۵ھ) ہے' اگرچہ حجاج بن یوسف کا ظلم ابوالعباس السفاح سے بہت بڑھ کر ہے کہ جلیل القدر صحابہ' تابعین' تبع تابعین اور فقہاء کی جماعت بھی اس کے شر سے محفوظ نہ رہی۔ اس کے بارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا قول معروف ہے کہ اگر تمام قومیں اپنے خبیثوں کو جمع کر لائیں تو پھر بھی ہمارے حجاج کے مقابلے میں ناکافی ہوں گے۔ یہ واضح رہے کہ حجاج بن یوسف ثقفی بنوامیہ کے دور میں گورنر کے عہدے پر فائز تھا' کوئی خلیفہ نہیں تھا' لیکن پھر بھی بنواُمیہ کی خلافت پر ایک بہت بڑا دھبہ اور بدنما داغ ہے۔ ابوالعباس السفاح جو دولت خلافت عباسیہ کا بانی ہے' اُس نے اپنا لقب ہی سفاح یعنی خوب خونریزی کرنے والا رکھا۔ اُس نے چن چن کر اُمویوں کو قتل کیا' یہاں تک کہ ان کی قبروں سے انہیں نکلوا کر ان کی لاشوں کی بھی بے حرمتی کی۔ بعض تاریخی روایات کے مطابق بنوعباس نے حضرت امیر معاویہؓ کی میت کو بھی قبر سے نکلوا کر اس کی بھی بے حرمتی کی تھی۔

٦۔ حسین مؤنس الدکتور' أطلس تاریخ القرآن' الزهراء للإعلام العربی' القاهرة' الطبعة الأولی' ۱۹۸۷ء' ص ۵۱۔

۷۔ "ولعله أقدم وثن عبد فى تلك الديار"۔ (بروکلمان کارل' تاریخ الشعوب الإسلامية' تعریب نبیه أمین

فارس ومنير البعلبكی، دار العلم للملايين، بيروت، الطبعة الخامسة، ١٩٦٨ء، ص ٣١۔

۸۔ مسلم بن حجاج القشيری، المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول اللهﷺ المعروف بصحيح المسلم، كتاب الحج، باب استحباب تقبيل الحجر فی الطواف، دار إحياء التراث العربی، بيروت، ٩٢٥/٢۔

۹۔ الترمذی، محمد بن عيسیٰ بن سورة، سنن الترمذی، أبواب الحج، باب ما جاء فی فضل الحجر الأسود والركن والمقام، مطبعة مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ٢١٧/٣۔

۱۰۔ "وعند ما ظهر خالد بن الوليد فی منقطة تميم، وجد الطاعة فی كل مكان تقريبا، إلا أن مالكا ابن نويرة، سيد يربوع (أحد بطون حنظلة) الذی انفصل عن المدينة عقب وفاة محمد مباشرة ظل مؤمنا بسجاح، بيد أنه عندما حاصره خالد بفصائله، عرض هو أيضا استسلامه، ومع ذلك سمح خالد بالقضاء عليه بقتله مع رجال آخرين وذلك لأنه اشتهى زوجته الجميلة كما يروی"۔ (تاريخ الشعوب الإسلامية: ص٤٣)

۱۱۔ ابن الأثير الجزری، علی بن أبی الكرم محمد بن محمد الشيبانی، دار الكتاب العربی، لبنان، ١٩٩٧ء، ٢١٣/٢؛ ابن خلدون، عبد الرحمٰن بن محمد بن محمد الحضرمی، ديوان المبتدأ ولكبر فی تاريخ العرب والبربر ومن عاصرهم من ذوی الشأن الأكبر المعروف بتاريخ ابن خلدون، دار الفكر، بيروت، ١٩٨٨ء، ٥٠٠/٢۔٥٠١۔

۱۲۔ ابن كثير، اسماعيل بن عمر بن كثير القرشی، البداية والنهاية، دار إحياء التراث العربی، بيروت، ١٩٨٨ء، ٣٥٤/٦۔

۱۳۔ أحمد بن محمد بن حنبل، مسند الإمام أحمد بن حنبل، مؤسسة الرسالة، بيروت، ٢٠٠١ء، ٢٤٦/٣٧۔

۱۴۔ الذهبی، محمد بن أحمد بن عثمان، ميزان الاعتدال فی نقد الرجال، دار المعرفة، بيروت، ١٩٦٣ء، ١٢٣/٣۔١٢٤۔

۱۵۔ تاریخی روایات کے بیان میں پانچ کتابیں ایسی ہیں جنہیں اہل سنت والجماعت نے رطب ویابس کا مجموعہ قرار دیتے ہوئے ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ ان میں سے ایک کتاب امام ابن قتیبہ (متوفی ۲۷۶ھ) کی طرف منسوب ہے کہ جس کا نام "**الإمامة والسياسة**" ہے۔ اہل سنت کے نزدیک اس کتاب کی نسبت امام ابن قتیبہ کی طرف ثابت نہیں ہے اور اس کے مصنف کوئی شیعہ فاضل ہیں۔ ڈاکٹر عبداللہ عسیلا ننے اس موضوع پر ایک کتاب "**الإمامة والسياسة في ميزان التحقيق العلمي**" مرتب کی ہے۔ دوسری کتاب "**نهج البلاغة**" ہے، جس کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف کی جاتی ہے جبکہ یہ کتاب ان کی وفات کے ساڑھے تین سو سال بعد محمد بن الحسین شریف الرضی (متوفی ۴۰۶ھ) نے بغیر کسی سند کے مرتب کی ہے۔ اس کتاب میں شیخین حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی تنقیص اور اہانت موجود ہے کہ جس کے صدور کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے گمان بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ابن خلکان (متوفی ۶۸۱ھ)، امام ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ)، امام ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) اور امام ابن حجر (۸۵۲ھ) نے کہا ہے کہ اس کتاب میں اکثر اقوال حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جھوٹ اور افتراء ہیں۔ (ابن حجر، أحمد بن علی بن محمد، لسان الميزان، مؤسسة الأعلمی، بيروت، ١٩٧١ء، ٢٢٣/٤) تیسری کتاب ابوالفرج اصفہانی کی "**كتاب الأغانی**" ہے۔ اس کتاب پر عراقی شاعر استاذ ولید اعظمی نے "السيف اليمانی فی نحر الأصفهانی صاحب الأغانی" کے نام سے شدید نقد کی

ہے۔ چوتھی کتاب 'تاریخ یعقوبی' ہے جس کا بیان گزر چکا' اور پانچویں کتاب "مروج الذهب ومعادن الجوهر" ہے جو 'تاریخ مسعودی' کے نام سے معروف ہے کہ جس کے مصنف کا نام علی بن الحسین المسعودی (متوفی ۳۴۶ھ) ہے۔ امام ذہبی اور امام ابن حجر رحمہما اللہ نے صاحب کتاب کی طرف تشیع اور اعتزال کی نسبت کی ہے۔

۱۶) الاستشراق والتاريخ الإسلامی: ص۹۷۔

۱۷) ایضاً' ص ۱۱۵۔

۱۸) ابن الجوزی' عبد الرحمٰن بن علی بن محمد' المنتظم فی تاريخ الأمم والملوك' دارالكتب العلمية' بيروت' ۱۹۹۲ء' ۷/ ۲۰۔۲۱۔

19- In 691 Abd-al-Malik erected in Jerusalem the magnificent Dome of the Rock (Qubbat al-Sakhrah), wrongly styled by Europeans "the Mosque of Umar", in order to divert thither the pilgrimage from Makkah which was held by his rival ibn-al-Zubayr. (Philip K. Hitti, History of the Arabs, Macmillan and Co., London, 1946, p. 220)

۲۰۔ معاویہ بن یزید کے بعد مروان بن حکم نے پہلے پہل حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی مدینہ میں بیعت کا ارادہ کیا' لیکن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بنو امیہ سے بہت نفرت تھی' جس کی ایک بڑی وجہ یزید بن معاویہ کے زمانے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اور اہل مدینہ کا قتل عام بھی تھا' لہٰذا انہوں نے اس سے بیعت لینے سے انکار کر دیا۔ بعد ازاں مروان بن حکم نے شام میں جا کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف اپنی بیعت لینا شروع کر دی۔ مروان کے بعد اس کے بیٹے عبدالملک بن مروان (۲۶۔۸۶ھ) نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے لڑائی جاری رکھی اور پہلے عراق پر قبضہ کیا اور پھر حجاز کی طرف حجاج بن یوسف (۴۰۔۹۶ھ) کو بھیجا۔ اہل علم کی ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ جب تک حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت قائم رہی' اُس وقت تک مروان بن حکم اور اس کے بیٹے عبدالملک بن مروان کا حکم باغیوں کا تھا' لیکن ان کی شہادت کے بعد اہل اسلام کا عبدالملک بن مروان کی حکومت پر اتفاق ہو گیا۔ ابن عبدالبر نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن زبیر' مروان بن حکم سے افضل اور خلافت کے زیادہ حقدار ہیں۔ امام ابن کثیر نے کہا ہے کہ معاویہ بن یزید کے بعد امام' عبداللہ بن زبیرؓ ہیں کیونکہ معاویہ بن یزید کے بعد بلاد اسلام کی اکثریت نے عبداللہ بن زبیر کی بیعت کر لی تھی اور وہ اس سے زیادہ ہدایت پر ہیں۔ امام ذہبی بھی عبداللہ بن زبیر ہی کو امیر المؤمنین قرار دیتے ہیں جبکہ امام ابن حزم اور امام سیوطی نے تو مروان بن حکم کو باغی قرار دیا ہے۔ (علی محمد الصلابی الدكتور' خلافة أمير المؤمنين عبد الله بن زبير' مؤسسة اقرأ' القاهرة' ۲۰۰۶ء' ص ٦٤)

21- In the earliest period of his preaching Mohammed's utterances were delivered in a sinewy oracular style cast into short rhymed phrases, often obscure and sometimes preceded by one or more formal oaths. This style is admittedly that of the ancient kahins or Arabian oracle-mongers, and it is not surprising that Mohammed's opponents should have charged him with being just another such kahin. For this and other reasons his style gradually loosened out into a simpler but still rhetorical prose; and as social denunciations and eschatological visions passed into historical narrative, and that in turn at Medina into legislation and topical addresses, little was left of its original stylistic features but a loose rhyme or assonance marking the

end of each verse, now anything from ten to sixty words long...In trying to trace the sources and development of the religious ideas expounded in the Koran (a question, be it remembered, not only meaningless but blasphemous in Muslim eyes), we are still confronted with many unsolved problems. Earlier scholars postulated a Jewish source with some Christian additions. More recent research has conclusively proved that the main external influences (including the Old Testament materials) can be traced back to Syriac Christianity. (H A R Gibb, Mohammedanism, An Historical Survey, New York Oxford University Press, 1962, pp. 36-37.)

22- The Meccans still demanded of him a miracle, and with remarkable boldness and self confidence Mohammad appealed as a supreme confirmation of his mission to the Koran itself. Like all Arabs they were the connoisseurs of language and rhetoric. Well, then if the Koran were his own composition other men could rival it. Let them produce ten verses like it. If they could not (and it is obvious that they could not), then let them accept the Koran as an outstanding evident miracle. (H A R Gibb, Islam - A Historical Survey, Oxford University Press, 1980, p. 28); As a literary monument the Koran thus stands by itself, a production unique to the Arabic literature, having neither forerunners nor successors in its own idiom. Muslims of all ages are united in proclaiming the inimitability not only of its contents but also of its style...and in forcing the High Arabic idiom into the expression of new ranges of thought the Koran develops a bold and strikingly effective rhetorical prose in which all the resources of syntactical modulation are exploited with great freedom and originality. (H A R Gibb, Arabic Literature - An Introduction, Oxford at Clarendon Press, 1963, p. 36)

۲۳۔ عبد الرحمن بدوی الدکتور، موسوعة المستشرقین، دار العلم للملایین، بیروت، ۱۹۹۳ء، ص۱۷٤۔

24 - Nassef M. Adiong, The Great Debate of the Two Intellectual Giants in Middle Eastern Studies of Postclonial Era: A Comparative Study on the Schemata of Edward Said and Bernard Lewis, University of Philiphines, Diliman, p. 1

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت، اہمیت ولزوم اور مراحل و مدارج

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع خطاب

اشاعت خاص:40روپے　　اشاعت عام:15روپے

آج کا ''ھُبُلْ'' (بڑا بُت): مادّہ پرستی

چوہدری رفاقت علی ☆

زمانۂ جاہلیت کے بُتوں کا تعارف

آج مجھے اُس بت کی بات نہیں کرنا جو قریش کا بت تھا' جس کا نام ''ھُبل'' تھا۔ جو انہوں نے خانہ کعبہ کے درمیان' ایک کنوئیں پر' نصب کیا ہوا تھا —— اور نہ ہی ''اِساف'' اور ''نائلہ'' کی بات کرنا ہے' جن کی قریش عبادت کرتے تھے' اُن کے سامنے قربانیاں کرتے تھے۔ ''اِساف'' (مرد) اور ''نائلہ'' (عورت) قبیلہ جرہم کے ایک مرد اور عورت کا نام تھا۔ ان دونوں سے خانہ کعبہ میں بدفعلی صادر ہوئی' جس کی پاداش میں اللہ ربّ العزت نے ان کو پتھر بنا دیا —— اور نہ ہی مجھے ''عُزّیٰ'' کی بات کرنا ہے' جو قریش اور بنی کنانہ کا ایک بت تھا' اور اس کے مجاور اور دربان ''شیبان بن سلیم'' کی اولاد تھے' جو بنی ہاشم کے فریق مخالف تھے اور خاص طور پر ابوطالب کے! —— اور نہ ہی مجھے ''قبیلہ ثقیف'' کے بت' جو طائف میں رکھا ہوا تھا' جس کا نام ''لات'' تھا' اس کی بات کرنا ہے —— اور نہ ہی مجھے قبیلہ ''اوس وخزرج'' کے بت ''منات'' کی بات کرنا ہے' جسے گرانے کے لیے حضور اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے بعد ابوسفیانؓ اور بعض کے مطابق' علیؓ بن ابی طالب کو بھیجا تھا —— اور نہ ہی مجھے قبیلہ ''دوس وخثعم وبجیلہ'' کے بت ''ذوالخلصہ'' کی بات کرنا ہے' جس کو گرانے کے لیے نبی اکرم ﷺ نے جریر بن عبداللہ البجلیؓ کو بھیجا تھا۔ بعض کے مطابق اس بت کو گرانے کے لیے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو بھیجا تھا' جنہوں نے اس کو گرایا اور اس میں دو تلواریں ملیں جن میں سے ایک کا نام ''رسوب'' اور دوسری کا نام ''مخذم'' تھا۔ حضرت علیؓ دونوں تلواریں آپؐ کے پاس لے آئے' جو آپؐ نے ان کو بخش دیں۔ پس وہی دو تلواریں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تھیں —— اور نہ ہی مجھے قبیلہ ''حمیر'' اور اہلِ یمن کے بت ''رئام'' کی بات کرنا ہے —— اور نہ ہی عربوں کے قبیلہ ہذیل' جو مقام ''رہاط'' میں ''سواع'' کی عبادت کیا کرتا تھا' اس کی بات کرنا ہے! —— اور نہ ہی مجھے اس بت کی بات کرنا ہے جس کا نام ''وَدّ'' تھا اور جس کی مذمت میں کعبؓ بن مالک انصاری نے شعر کہا تھا' جس کا ترجمہ یہ ہے:

''ہم ''لات وعزیٰ وود'' کو چھوڑ دیتے ہیں اور ان کے قلادے اور ہار چھین لیتے ہیں۔''

اور نہ ہی مجھے ''یغوث'' کی بات کرنا ہے جس کی اہلِ جرش کے مقام میں عبادت کی جاتی تھی —— اور نہ ہی مجھے ''قبیلہ خیوان'' نے جو ہمدان کی اولاد سے تھا' کے بت ''یعوق'' کی بات کرنا ہے جو ارضِ ہمدان میں نصب تھا! —— اور نہ ہی مجھے ''نسر'' اور ''غم انس'' بتوں کی بات کرنا ہے! —— نہ ہی مجھے عربوں کی صنم پرستی یا بت پرستی یا

☆ ماہرِ تعلیم

موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سونے کے بچھڑے کی پوجا کی بات کرنا ہے!! یہ تمام بت تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی ختم کر دیے گئے تھے۔ ہدایت کی ہوائیں چلیں' لوگ کامیاب زندگی کی راہ پر گامزن ہوئے اور انہوں نے اپنی منزلِ مقصود پالی۔ مجھے تو آج کے زمانہ کے بت کی بات کرنا ہے جو ہر فرد کے دل میں' ہر شہر' ہر ملک میں پایا جاتا ہے اور جس نے ساری دنیا کے انسانوں کو اپنا اسیر بنایا ہوا ہے اور انہیں احساس تک بھی نہیں کہ ہم ''غیر اللہ'' کی پرستش کر رہے ہیں۔ اپنی تمام ذہنی صلاحیتیں' اپنے تمام ''وسائل مادی'' اسی ایک بت کی پرستش میں صرف کر رہے ہیں اور ہمیں خبر تک نہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں! کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مادہ کی ایک دوڑ ہے جس میں ہر فرد' خاندان اور قوم اپنی صلاحیتوں کو کام میں لا رہی ہے —— آخرت کی زندگی سے بالکل بے خبر بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیم سے بالکل بے بہرہ۔

عصرِ حاضر کے بُتوں کا تعارف

وہ بت پرستی' جس میں آج پوری دنیا کے انسان' جن کی تعداد کم و بیش سات ارب کے لگ بھگ ہے' مشغول ہیں' اُس کا نام ہے ''مادہ پرستی'' —— ''جاہ پرستی'' —— اور ''ہوس پرستی''۔ اس زمانے کے بڑے بت ''ہبل''، ''لات''، ''منات'' نہیں بلکہ ''مادہ پرستی'' (مال) ''ہوس پرستی'' (خواہشات) اور جاہ پرستی (اقتدار) ہیں' جن کی پرستش شب و روز جاری ہے۔ آج کی اصل بت پرستی ''مادہ پرستی'' ہی ہے اور اسی کا دیا ہوا تحفہ ''مغربی جمہوریت'' ہے (جس کا تذکرہ اپنے مقام پر کیا جائے گا)۔

جب تک ان دو مہلک بیماریوں (یعنی مادہ پرستی اور جمہوریت) جو ہماری سیاسی' معاشی' معاشرتی زندگی کو لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں' کا کھوج نہیں لگایا جاتا' تب تک نہ تو ان کا علاج تجویز کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی پوری نوعِ انسانی اس شیطانی چکر (vicious circle) سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔

مادہ کو مادہ کے ذریعے اکٹھا کرنا' پھر اس ''ہوس پرستی'' کو فروغ دینا اور ''ہوس پرستی'' کی تکمیل کے لیے ''جاہ پرستی'' کی طلب' کوشش اور محنت میں دن رات ایک کرنا —— نتیجہ کیا نکل رہا ہے؟ نہ دنیا میں چین' سکون' سکھ' آرام اور نہ ہی اتفاق' الفت' محبت' شفقت اور پیار۔ یہ سب کچھ ہی غائب ہو رہا ہے —— اور اس کی جگہ نفرت' نفاق' پریشانی' دکھ' درد' نااتفاقی' جھگڑے' تمام رذائل انسانیت کو گھیرے ہوئے ہیں —— اور وہ اس مادہ کے چکر سے آزاد ہونے سے رہا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس ''مادہ پرستی'' کی بنیادی وجہ کیا ہے؟ ایک نظر تاریخ کے اوراق پر دوڑائی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس ساری زندگی کے کاروبار میں' جو شے بالکل نظر ہی آتی نہیں' وہ ہے روحانی زندگی کا عنقا ہونا۔

مادی جسم اور روحانی جسم کی ضرورتیں

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مادہ کی ضرورتیں مادہ سے ہی پوری ہوں گی اور روح کی ضرورتیں روحانی اعمال سے ہی ترقی کریں گی۔ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ جسم دو عناصر کا مرکب ہے۔ ایک مادی جسم اور دوسرا روحانی جسم۔ ہمیں جسم تو نظر آتا ہے کہ مٹی اور گوشت پوست کا بنا ہوا ہے۔ ہم اس بات سے بھی بخوبی واقف ہیں کہ روح

کے بغیر جسم کی حیثیت بالکل صفر ہو کر رہ جاتی ہے' کیونکہ روح کے بغیر ''زبان'' موجود ہونے کے باوجود ''بولتی'' نہیں، ''کان'' موجود ہونے کے باوجود ''سنتے'' نہیں، ''ہاتھ'' موجود ہونے کے باوجود ''پکڑتے'' نہیں، ''ٹانگیں'' موجود ہونے کے باوجود ''چلتی'' نہیں، ''ناک'' موجود ہونے کے باوجود ''سونگھنے'' کی صلاحیت سے محروم' اسی طرح ''دماغ'' موجود ہونے کے باوجود ''سوچنے سمجھنے'' کی صلاحیت سے عاری اور ''دل'' موجود لیکن ''دھڑکن'' بند۔ یہ سب کچھ صرف اور صرف ''اللہ ربّ العزت'' کا امر (یعنی روح) تھا جس کی بدولت جسم کا تمام نظام حرکت میں تھا —— ''روح'' غائب تو ''حرکت'' بند۔ گویا زندگی نام ہی حرکت کا ہے' جب تک حرکت جاری وساری ہے تب تک زندگی رواں دواں ہے۔

ہمارے لیے یہ لمحۂ فکریہ ہے کہ انسانی کاوش کا مرکز ومحور صرف اور صرف مادی جسم کی نشوونما اور ترقی ہے —— جسم کا دوسرا حصہ' جو اس مادی جسم کو حرکت دیے ہوئے ہے' اس کے بارے میں انسانوں کے ایک بہت بڑے مجموعہ نے کبھی غور وفکر ہی نہیں کیا —— اگر ''روح'' جو تمام زندگی کو متحرک کیے ہوئے ہے' اس کی ''غذا'' کا بندوبست نہ کیا جائے تو زندگی کی ساری عمارت ایک دم زمین بوس ہو جائے گی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ ''غذا'' جسے ہم ''روحانی غذا'' کہتے ہیں' وہ میسر کہاں سے ہوتی ہے؟ اور اللہ ربّ العزت جو اس ساری کائنات کا خالق' مالک' رازق' علیم' خبیر اور علیم بذات الصدور ہے' اس نے اس کا بندوبست کیسے کیا ہے؟ ہم بخوبی جانتے ہیں' جسم کا دوسرا حصہ ''روحانی غذا'' کا متقاضی ہے جو آسمانوں سے مہیا کی جاتی ہے' اس کے لیے اللہ ربّ العزت نے انبیاء ورسل علیہم السلام کو دنیا کے انسانوں اور جنوں کے لیے مبعوث فرمایا تاکہ ان کی ''روحانی غذا'' جو آسمانوں سے مہیا کی جاتی ہے' کا انتظام کریں۔ دراصل انسانوں اور جنوں کی تخلیق کا مقصد وحید ہی یہ تھا کہ وہ اللہ ربّ العزت کو خالق' مالک' رازق' علیم' خبیر' علام الغیوب مان کر' اس کی تمام صفات کے ساتھ ایمان لا کر' اس کی بندگی اور عبودیت کریں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝۵۶﴾ (الذّٰریٰت)

''اور میں نے جِنّوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔''

اسی ''روحانی غذا'' کی فراہمی کے لیے انبیاء ورسل علیہم السلام کو مبعوث کیا جاتا رہا ہے تاکہ ''ہدایت'' اور ''صراطِ مستقیم'' کی زندگی استوار ہو سکے۔

یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ جب تک جسم کو یہ دونوں غذائیں متوازن طریقہ سے مہیا نہیں کی جائیں گی' زندگی غیر متوازن ہو جائے گی۔ یہاں بھی دکھ اور پریشانی' اور آخرت میں بھی نجات محال ہو جائے گی۔

انسان کی حقیقت اور نظریۂ زندگی

روزِ اوّل سے انسان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ایک ابدی زندگی کی حقیقت کی تذکیر کرتے چلے آئے ہیں کہ:

(i) انسان کی حقیقت ہے کیا؟

(ii) دنیا میں انسان کو کس لیے بھیجا گیا ہے؟

(iii) دنیا میں انسان کو کیا کرنا ہے؟

(iv) دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اس کے ساتھ ہوگا کیا؟

یہ چار سوالات ایسے ہیں جو ہر انسان سوچنے پر مجبور ہے' کیونکہ انسانی ''عقل'' کا تقاضا ہے کہ وہ ان سوالات کے جوابات تلاش کرے' اور جوابات ملنے پر' اپنا ایک ''نظریۂ زندگی'' مرتب کرے اور اس ''نظریۂ زندگی'' کو اپنی ''عملی زندگی'' میں جاری وساری کرے۔ اس کے ساتھ ہی اس ''نظریۂ زندگی'' کی ترویج وترقی کے لیے کوشاں رہے تاکہ وہ دوسروں کو اپنے ''نظریۂ زندگی'' کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے تیار اور آمادہ کر سکے اور اس کے ساتھ ہی خود بھی اسے ''نظریۂ زندگی'' پر عمل پیرا ہونے میں آسانی اور سہولت میسر ہو سکے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ پانی کے الٹے رخ تیرنے میں کتنی دقت اور مشکل پیش آتی ہے۔ اسی طرح دنیا کے اندر کسی دوسرے کا اگر کوئی اور ''نظریہ زندگی'' ہوگا تو یہ امر فطری ہے کہ ان ''دو نظریاتِ زندگی'' کا آپس میں ٹکراؤ اور تصادم یقینی ہے' جس کے نتیجہ میں ''کمزور نظریۂ زندگی'' نیست ونابود ہو جائے گا اور ابدی حیثیت رکھنے والے اور ''مضبوط نظریۂ زندگی'' کو دوام حاصل ہوگا۔

عربوں کا قبائلی سسٹم اور قبائلی عصبیت

ہم بخوبی جانتے ہیں کہ زمانہ قبل از اسلام عربوں کی تہذیب' ان کی معاشرتی' معاشی اور سیاسی زندگی کا کیا رخ تھا؟ اور اس کے پیچھے جو ایک ''نظریہ زندگی'' کارفرما تھا' اس کی وضاحت کر دی جائے تو بات زیادہ واضح طور پر سمجھ میں آ جائے گی۔ یوں کہیے کہ عربوں میں ''قبائلی سسٹم'' رائج تھا اور قبائلی عصبیت ان کی زندگی کا بنیادی نظریہ تھا' جس کے گرد ان کی تمام زندگی کے معاملات طے ہوا کرتے تھے۔ گویا اگر کسی قبیلہ کے ایک شخص سے کسی دوسرے قبیلہ کے شخص کا قتل ہو جاتا تو گویا قاتل (اکیلا) اس کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاتا تھا' بلکہ اس کے قتل اور قصاص کی ادائیگی کی خاطر ''قاتل قبیلہ'' ہی ذمہ دار ٹھہرایا جاتا تھا۔ یہ تھی ''قبائلی زندگی کی عصبیت کی قوت'' جو ان کی زندگی کے تمام امور میں کارفرما تھی۔ اور اگر معاملہ طے نہیں پاتا تھا تو پھر برسوں لڑائی جاری رہتی تھی۔ اس قبائلی زندگی کی عصبیت سے ''اسلام'' نے ان کو نکالا اور ان کو ایسی زندگی سے روشناس کرایا جو باہمی محبت' اخوت اور عزت واحترام پر مبنی تھی' کیونکہ اسلام کی رو سے ایک قاتل (اکیلا) ہی اس قتل کا ذمہ دار ہے نہ کہ پورا قبیلہ۔ اور ''قصاص'' کا معاملہ بھی اسلام نے متعارف کرایا' بلکہ معاف کرنے کو اعلیٰ درجہ کے کردار کے مصداق قرار دیا۔

ہم جانتے ہیں کہ انبیاء ورسل علیہم السلام کی بعثت کا مقصدِ وحید یہی ہوا کرتا تھا کہ وہ دنیا میں انسانوں کو ''مالک کائنات'' کی ذات اور صفات سے متعارف کراتے اور کائنات کو وجود بخشنے کے بارے میں آگاہ کرتے۔ لوگوں کو ''مالک کائنات'' کی مرضیات سے آگاہ کرنا اور ناراضی والی باتوں سے متنبہ کرنا انبیاء ورسلؑ کی بنیادی ذمہ داریوں میں شامل تھا' اسی لیے وہ ''بشیر'' اور ''نذیر'' یعنی بشارتیں دینے والے اور خبردار کرنے والے کہلواتے تھے۔

کائنات کی تخلیق کا مقصد

یہ سوچ عین فطرت کے مطابق ہے کہ ''مالک کائنات'' نے جو اتنا بڑا ''نظامِ کائنات'' قائم کیا ہے وہ عبث

تو نہیں ہوسکتا اور اس میں ''جن وانس'' کو بھی وجود بخشا تا کہ اس کائنات میں رونق افروز ہوں —— کائنات کی تمام چیزوں' زمین' آسمان' چرند' پرند' حیوانات' نباتات' جمادات' پہاڑ' دریا' سمندر غرضیکہ تقریباً اٹھارہ ہزار مخلوقات ''مالک کائنات'' نے ''جن وانس'' کی خدمت کے لیے پیدا کی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾ (البقرۃ:۲۹) ''وہی ہے جس نے تمہارے لیے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے' سب کا سب''۔ گویا ساری مخلوقات کی تخلیق صرف اور صرف انسان کی خدمت کے لیے پیدا فرمائی۔ یہ امر یقینی ہے کہ ساری کی ساری مخلوق ''امر تکوین'' کے تحت کام کر رہی ہے۔ سورج' چاند' ستارے' زمین' پہاڑ' دریا' سمندر' ہر ایک اپنے اپنے فرائض اللہ کے ''امر'' کے مطابق ہر وقت ادا کر رہا ہے' اور اللہ کے ''امر'' کو پورا کرنے میں' سرمو انحراف نہ ہی کرتا ہے اور نہ ہی کر سکتا ہے۔ انبیاء و رسلؑ نے انسانوں کو بتایا کہ ساری کائنات کو اللہ ربّ العزت نے انسان کی ''خدمت'' میں لگایا اور خود ''انسان'' کو اپنی بندگی میں لگایا۔

دینِ اسلام کیا ہے؟

انبیاء کرامؑ نے ''مالک کائنات'' کی ذات کے حوالے سے بتایا کہ وہ اکیلا ساری کائنات کا نہ صرف خالق اور مالک ہے' بلکہ اس پوری کائنات پر مکمل طور پر تصرف کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ تاہم انسان کو وجود بخشنے کے بعد' اسے ہدایت کی راہیں بتلانے کے ساتھ' ایک حد تک اختیار یہ دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی اور اختیار سے دو راستوں میں سے ایک کا انتخاب کر کے اس پر عمل کرے۔ ان دو راستوں میں سے ایک کامیابی کا راستہ یعنی صراطِ مستقیم اور دوسرا ناکامی کا راستہ یعنی گمراہی و ضلالت کا راستہ ہے۔ ''مالک کائنات'' کی صفات کے بارے میں انبیاء کرامؑ نے انسانوں کو آگاہ کیا کہ وہ علیم بھی ہے' خبیر بھی ہے اور علیم بذات الصدور بھی ہے۔ کیونکہ وہ ابتدا سے انتہا تک کی باتوں کے علم کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس کی خبر بھی رکھتا ہے۔ نہ صرف ظاہری باتوں کی خبر رکھتا ہے بلکہ سینے کے اندر' خفیف سا خیال' جو کسی کے دل میں پیدا ہوتا ہے' اس کا بھی وہ علم رکھتا ہے' حتیٰ کہ معمولی مخلوق ''چیونٹی'' کے پاؤں کی آہٹ تک کو سنتا ہے' اس کی حفاظت بھی کرتا ہے اور اسے رزق بھی مہیا کرتا ہے۔ ایک صفت ''مالک کائنات'' یعنی اللہ ربّ العزت کی ''علام الغیوب'' ہونا ہے۔ گویا وہ تمام غیب کی باتیں خواہ دنیا کے متعلق ہوں یا آخرت کے بارے میں' سب جانتا ہے۔ اس ''مالک کائنات'' سے انسان کو تعلق جوڑنے کے لیے انبیاء و رسلؑ کے ذریعے انسانوں تک ''صراطِ مستقیم'' یا ''ہدایت'' کی تعلیمات پہنچائیں تا کہ اپنے حقیقی ''مالک کائنات'' کی مرضیات کو معلوم کر کے' اس پر عمل کر کے اور انہی باتوں کو انسانوں تک پہنچاتے ہوئے' دنیا سے رخصتی کے بعد ''مالک کائنات'' سے ملاقات کرے۔ نتیجتاً ''مالک کائنات'' سے ''اخروی'' نعمتوں کو حاصل کرنے والا بنے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا وجود جنت میں پیدا کیا گیا اور دوبارہ تمام بنی آدمؑ کو جنت کی راہ دکھلائی۔ اطاعت کرنے والے یعنی فرمانبردار' اسی جنت میں دوبارہ جائیں گے۔ مالک کائنات کے فضل و کرم سے یہ تھی مختصر سی ''دعوتِ دین'' جو انبیاء کرامؑ کے ذمہ تھی کہ اسے انسانوں اور جنوں تک پہنچائیں۔ ''دین'' ضروریات کے پورا کرنے کا نام ہے' خواہ ضروریاتِ دنیوی ہوں یا اُخروی۔ اسی کی محنت انبیاء کرامؑ نے فرمائی۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آل عمران:۱۹) ''بے شک دین تو اللہ کے نزدیک

اسلام ہی ہے''—— زندگی کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کے لیے پورے کا پورا اسلام میں داخل ہونا پڑے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪﴾(البقرۃ:۲۰۸)''اے ایمان کے دعوے دارو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔''

''بندگی'' کسے کہتے ہیں؟

اب دیکھنا یہ ہے کہ ''بندگی'' کسے کہتے ہیں اور ''حق بندگی'' کیا ہے؟ ''بندگی'' انبیاء کرامؑ کے طریقہ زندگی (اُسوۂ حسنہ) کے مطابق اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے۔ گویا اللہ ربّ العزت کے حضور مکمل سپردگی ہی کا نام ''بندگی'' ہے' یعنی اللہ ربّ العزت کی مکمل اطاعت یا Total Submission۔ گویا ہر آن' ہر گھڑی' اپنے مالک کائنات کے احکام کی بجا آوری کا نام ہی بندگی ٹھہرا۔ ہم جانتے ہیں کہ ''مالک کائنات'' نے' انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک کی زندگی کے تمام تر احکامات (اعمال اور افعال) اپنے پیارے انبیاء کرام علیہم السلام کی وساطت سے انسانیت کو عطا فرمائے۔ اس تناظر میں ''دین'' کی تھوڑی سی وضاحت اور کیے دیتے ہیں۔ بھلا ''دین'' کسے کہتے ہیں؟ ''دین'' اُس طریقہ زندگی کو کہیں گے جو مالک کائنات نے انسانوں کی ضروریاتِ زندگی' دُنیوی اور اُخروی' پورا کرنے کے لیے عطا فرمایا ہے۔ ان احکام پر ''عمل'' کر کے ہی انسان اپنی دنیوی اور اخروی ضروریات کو پورا کر سکتے ہیں۔

بعثتِ انبیاءؑ اور ''حیاتِ طیّبہ''

یہ اللہ ربّ العزت کی رحمت اور رأفت کا نتیجہ ہے کہ اس نے انسان کو تنہا نہیں چھوڑا بلکہ اس کی رہنمائی کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور ان کے ذریعے سے انسانوں تک اپنی سماوی کتب بھی پہنچائیں۔ یہ سماوی کتب بھی سراسر رحمت اور انبیاء کی بعثت بھی سراسر رحمت۔ یہ بات یاد رہے کہ مالک کائنات پر رحمت و رأفت کا پہلو غالب ہے اور وہ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان اور بہت ہی رحم کرنے والا ہے۔ وہ ان کو دنیا میں بھی ''حیاتِ طیبہ'' عطا فرمانا چاہتا ہے اور آخرت میں بھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ''حیاتِ طیبہ'' کسے کہتے ہیں؟ ''حیاتِ طیبہ'' ایسی زندگی کو کہتے ہیں' جس میں چین ہی چین ہو' سکون ہی سکون ہو' آرام ہی آرام ہو' راحت ہی راحت ہو اور ساری کی ساری زندگی پاک اور طیب ہو۔ نہ ہی کوئی غم ہو اور نہ ہی کوئی حزن۔ یہ ہے مالک کائنات کا ''دستورِ حیات''۔ اب یہ انسان' اس کے مقابلے میں جتنے بھی ''دستور زندگی'' بنائے گا وہ ناقص اور نامکمل ہوں گے' اور اصل منزل مقصود یعنی اللہ کی رضا اور جنت کے حصول اور جہنم سے بچاؤ میں ناکام رہیں گے۔ کیونکہ انسانی سوچ و فکر میں کوئی نہ کوئی کمی اور نقص رہ جاتا ہے۔ اس لیے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں انسان ناکام رہتے ہیں اور ابدی زندگی کو برباد کر لیتے ہیں' بلکہ ان کا حال یہ ہوتا ہے:﴿خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ﴾(الحج:۱۱) گویا دنیا بھی برباد اور آخرت بھی۔

اب ہم دیکھتے ہیں جب سے کائنات وجود میں آئی ہے' اللہ ربّ العزت کی محبوب ترین مخلوق انبیاء کرام کا ''دین'' یا ''مذہب'' کیا رہا ہے؟ جب ہم قرآن مجید کو کھول کر دیکھتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ تمام انبیاءؑ

کی دعوت کے ''بول'' ایک جیسے ہی تھے۔ گویا سب انبیاء ورسل علیہم السلام نے لا الٰہ الا اللہ کی ہی دعوت دی۔ یعنی اللہ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں' کیونکہ جو پیدا کرنے والا ہے' رزق دینے والا ہے' حفاظت کرنے والا ہے اور دونوں جہان کا مالک ہے' اُسی کا حق ہے کہ اس کی ''بندگی'' کی جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک' ہر نبی کی دعوت کے ایک ہی بول تھے کہ اللہ کی طرف بلانا —— گویا اللہ کی ذات وصفات سے متعارف کرانا اور ان کے دیے ہوئے احکامات کی بجا آوری۔ گو طریقہ زندگی (قانونِ شریعت) ایک نبی کا دوسرے نبی سے قدرے مختلف رہا۔ کسی نبی اور اس امت کے لیے ایک چیز حلال کی گئی تو دوسرے نبی اور اس کی اُمت کے لیے حرام قرار دی گئی —— عبادات میں بھی کسی حد تک کمی بیشی ہوتی رہی۔ لیکن جہاں تک اعتقادات یعنی ایمانیات کا تعلق ہے' وہ سب کا ایک ہی رہا ہے —— ہر نبی کی دعوت کے اولین بول یہی ہوا کرتے تھے:

((یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا)) (۱)

''اے لوگو! ایک اللہ کی ہی عبادت کرو اور فلاح پاؤ۔''

نوعِ انسانی ایک وقت تک ''اُمتِ واحدہ'' ہی رہی —— لیکن جوں جوں ایمان میں کمزوری آتی گئی ایمان اور اعمال دونوں میں کمی واقع ہونا شروع ہوئی' حتیٰ کہ ایمان کے اعتبار سے لوگ شرک کرنے تک پہنچ گئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں شرک اور بت پرستی کا رواج عام تھا —— اور باوجود اس کے کہ حضرت نوحؑ نے تقریباً ساڑھے نو سو برس تک دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا' ایک نہایت ہی قلیل تعداد نے اس کلمے کو قبول کیا' جس پر دنیا وآخرت کی کامیابی کا دارومدار تھا۔ بالآخر حضرت نوحؑ نے اپنی نافرمان قوم کے بارے میں بددعا کی تو پھر پانی کا عذاب آیا اور سارے کے سارے نافرمان تباہ وبرباد ہو گئے۔ بچنے والوں میں صرف وہی تھے جو حضرت نوح علیہ السلام کی بنائی ہوئی کشتی میں سوار ہوئے۔

سماوی کتب میں تحریف وتبدیل

ایک وقت آیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دنیا میں رسول بنا کر مبعوث کیا گیا۔ انہیں ''تورات'' بھی عطا کی گئی۔ یہ سماوی کتاب تھی جو مختلف تختیوں پر درج تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سماوی کتاب تورات پر بھی بڑے ستم ٹوٹے۔ اس کے بھی حصے بخرے ہوئے۔ بار بار بخت نصر حملہ آور ہوتا رہا اور تورات کی تختیاں توڑ پھوڑ کر دریا میں بہاتا رہا' یہاں تک کہ ''تورات'' کا نام ونشان تک باقی نہ رہا۔ پھر بعد کے لوگوں نے اسے حافظے کی مدد سے لکھا اور یوں بہت کچھ خود ان کی اپنی طرف سے اس میں شامل ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سماوی کتاب ''انجیل'' کا بھی کچھ ایسا ہی معاملہ رہا۔ اس وقت ایک تو کرۂ ارض پر انجیل اپنی اصل زبان میں موجود ہی نہیں۔ انجیل کا ہر نیا ایڈیشن' پچھلے ایڈیشن سے کسی نہ کسی طور مختلف اور بدلا ہوا ملتا ہے۔ پھر یہ بات بھی بہت متعجب کر دینے والی ہے کہ انجیل کے نام سے' اس وقت چار ''منظور شدہ'' (canonical) کتابیں موجود ہیں۔ اللہ کی نازل کردہ انجیل تو ایک ہی تھی' مگر اب جو دستیاب ہیں وہ چار کیوں ہیں؟ ایک ''متی'' کی انجیل' ایک ''یوحنا'' کی انجیل' ایک ''لوقا'' کی انجیل اور

(۱) مسند احمد' ح ۱۵۴۴۸۔ راوی: ربیعہ بن عباد الدیلی

ایک ''مرقس'' کی انجیل ہے۔ دراصل یہ چار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری مانے جاتے ہیں۔ انہوں نے اصل انجیل کو اپنے طور پر جمع کر کے کتابی شکل میں لکھا۔ اب انجیل میں ان صاحبوں کی باتیں بھی داخل ہوگئی ہیں۔ جس طرح کسی نے کچھ دیکھا' ویسے ہی درج کر دیا۔ پھر ایک انجیل اور ہے ''انجیل برناباس''۔ یہ باقی چاروں سے مختلف ہے۔ تو اب کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ رب کی نازل کردہ ''انجیل'' ہے۔

قرآن مجید ان تمام حادثات سے محفوظ ہے اور اسے ان شاء اللہ تعالیٰ محفوظ ہی رہنا ہے' کیونکہ اس کی حفاظت خود اللہ ربّ العزت نے اپنے ذمہ لی ہے۔

رسولوں کی تکذیب کا انجام

پیشتر اس کے کہ ہم آگے بڑھیں' اتنا جان لینا ضروری ہے کہ ہر وہ قوم جس پر اللہ ربّ العزت کی طرف سے کوئی رسول مبعوث ہوا اور اس قوم نے اس رسول کو جھٹلایا تو پھر وہ اللہ ربّ العزت کے عذاب کی لپیٹ میں آئی اور صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دی گئی۔ ایک دو واقعات' عبرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ قومِ ثمود' جو عرب کے شمال مغرب میں قیام پذیر تھی' انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کو جھٹلایا اور ان پر سخت ٹھنڈک والی اور تند و تیز آندھی مسلط کر دی گئی اور پوری قوم ملیامیٹ ہوگئی۔ ایسے ہی قومِ عاد' جو عرب کے جنوب مشرق کی متمدّن ترین قوم تھی' توحید کے انکار کے بعد ان کا سب سے بڑا جرم قیامت اور آخرت کا انکار تھا' جس نے انہیں سرکش بنا دیا تھا' جس کی پاداش میں آخر کار انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ موجودہ زمانے کی مادہ پرست' بزعم خویش مہذّب قوموں کی سرکشی کا اصل سبب بھی قیامت اور جزا و سزا کا انکار ہے۔

عیسائیت میں عقیدۂ تثلیث

اس سے پیشتر ہم ذکر کر چکے ہیں کہ تمام انبیاء و رسلؑ کی دعوت الی اللہ کے ''بول'' ایک ہی طرح کے تھے' یعنی لا اِلٰہ اِلا اللہ (اللہ کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں!) گویا تمام انبیاء و رسلؑ کا دین ایک ہی رہا ہے —— اور وہ ہے ''اسلام''۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین (اسلام) کی بگڑی ہوئی صورت' اس وقت جو ہمارے سامنے ہے' وہ ''عیسائیت'' ہے' جس کا ''اسلام'' کے ساتھ کوئی تعلق نہیں جسے حضرت عیسیٰ نے بطورِ سماوی مذہب دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ''عیسائیت'' میں ہے کیا؟ ''عیسائیت'' نے سب سے پہلے ''عقیدۂ توحید'' کے ٹکڑے ٹکڑے کیے اور اللہ ربّ العزت کے ساتھ شرک کیا۔ ''توحیدِ الوہیت'' کی صفت صرف اللہ ربّ العزت کی ہے' کیونکہ وہ تنہا' اکیلا' احد ہے' اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں —— نہ ہی اس کا کوئی وزیر ہے اور نہ ہی مشیر —— وہ تن تنہا ساری کائنات کے کارخانے کو چلا رہا ہے اور قیامت آنے تک چلاتا رہے گا۔ پھر جب قیامت برپا کرے گا تو زمین و آسمان کی ساری کی ساری بساط لپیٹ دی جائے گی۔ پہاڑ' روئی کے گالوں کی طرح اڑیں گے' آسمان لپیٹ دیے جائیں گے' ستارے' آسمان سے جھڑ جائیں گے گویا بے نور ہو جائیں گے۔ سورج' چاند' زمین' سمندر' دریا' نباتات' جمادات' حیوانات' غرضیکہ ہر وہ چیز جو ہمیں نظر آتی ہے یا نظر نہیں آتی ہے اس کو ختم کر دیا جائے گا۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾﴾ (الرحمٰن)

گویا ہر چیز فنا کر دی جائے گی اور باقی صرف اللہ ربّ العزت کی ذات رہ جائے گی۔ جو قدیم ہے' ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا' اسے فنا نہیں' اسے بقا ہی بقا ہے۔

''عیسائیت میں عقیدۂ ''تثلیث'' نے عقیدۂ توحید کی جڑ کاٹ کے رکھ دی ہے۔ جس سماوی مذہب میں توحید کا عقیدہ نہیں وہ بھلا ''اسلام'' کیسا؟ ''عیسائیت'' میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو' اللہ ربّ العزت کا ''بیٹا'' قرار دیا گیا' حالانکہ اللہ ربّ العزت ان سب صفات سے پاک ہے۔ نہ اُس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا۔ قرآن مجید کی سورۃ الاخلاص اس بات پر واضح اور ٹھوس دلیل پیش کرتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام قرآن پاک میں عیسیٰ بن مریم بار بار آیا ہے۔ تو بھلا کسی عورت کے بطن سے پیدا ہونے والا ''الٰہ'' یا ''اللہ'' کیسے ہو سکتا ہے! جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ''عیسائیت'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب ''اسلام'' کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ عیسائیت وہ طریقہ ہے جس نے مذہب کو چرچ کے اندر بند کیا اور دنیوی معاملات کو ''غیر خدا'' کے حوالے کیا' جس کا فطری نتیجہ ''مادہ پرستی'' کا جنم لینا تھا۔ اسی سے سرمایہ داری نظام (Capitalism) وجود میں آیا۔

''جمہوریت'' بندوں کی غلامی کا دوسرا نام

اسی سرمایہ دارانہ نظام کی بدولت ''مغربی جمہوریت'' (Western Democracy) نے جنم لیا' جس میں ہر کس و ناکس کو شریکِ حکومت کرنے کا ڈھونگ رچایا گیا۔ ایک نظر ''جمہوریت'' کی تعریف پر ڈالتے ہیں:

"Government of the people for the people and by the people"

اس میں سارا ذکر ہی عوام کی حاکمیت کا ہے' حالانکہ حاکمیت عوام کی نہیں بلکہ اس خالق کائنات اور مالک کائنات کی ہے جس کا نہ صرف زمین و آسمان پر' بلکہ پوری کی پوری کائنات کی ساری کی ساری مخلوقات پر تصرف ہے اور وہ اس کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ!

اُس کے ''ارادہ'' کا نام وجود ہے۔ جب وہ کسی ''امر'' کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ''کُن'' ہو جا اور ''فیکون'' پس وہ ہو جاتی ہے۔ انبیاء کرامؑ اللہ ربّ العزت کی ذات اور صفات کا تعارف ہی اسی بات کا کراتے ہیں کہ ایک اللہ کو مانو' اور ایک اللہ ہی کی مانو اور حاکمیت صرف اور صرف ''اللہ'' ہی کی ہے۔ انبیاء کرامؑ کا کام یہی تھا کہ ''بندوں کو بندوں کی غلامی سے نجات دلائیں'' بلکہ بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں لائیں۔ یہ تھا انبیاء کی بعثت کا مقصد۔ ہم نے ''جمہوریت'' کے ذریعے بندوں کو بندوں کا غلام بنا دیا۔ اس کا متبادل جو اسلام نے پیش کیا ہے' اس کی تفصیلات پر آگے بات کریں گے۔ اس وقت صرف اتنا بتانا مناسب سمجھتا ہوں کہ خاتم الانبیاء حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے بعد انبیاء و رسل کا سلسلہ بند کر دیا گیا' کیونکہ وہ ''دین اسلام'' جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا' اس کی تکمیل حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر ہوئی۔ اللہ ربّ العزت نے اس بات کا اعلان فرمایا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدۃ:۳)

''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام فرما دیا ہے اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند فرما لیا ہے۔''

دین اسلام میں زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا گیا جس میں واضح ہدایات اور احکام موجود نہ ہوں۔ انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک اور انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک (جس میں سماجی' معاشرتی' معاشی' سیاسی معاملات' عبادات' ایمانیات' اعتقادات' حتیٰ کہ کھانے پینے' سونے جاگنے' اٹھنے بیٹھنے' کاروبار کرنے) ہر بات کو کھول کھول کر' قیامت تک آنے والی امت کے لیے تعلیم اور رہنمائی فرمائی۔

دنیا کے تین بڑے نظام ہائے زندگی

اس وقت ذرا دنیا کے نظام ہائے زندگی پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔ پوری دنیا میں تین بڑے نظام ہائے زندگی پیش کیے گئے: (۱) سرمایہ دارانہ نظام' (۲) سوشلزم (اشتراکیت)' اور (۳) اسلام۔ دنیا میں بسنے والے انسانوں کی آبادی کا جائزہ لیں تو دنیا کی کل آبادی جو تقریباً سات ارب کے لگ بھگ بنتی ہے' اس میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً ڈیڑھ ارب کے قریب ہے۔ ساری کی ساری دنیا کے ممالک اول الذکر دو نظام ہائے زندگی کو اختیار کیے ہوئے ہیں اور تیسرا نظام زندگی' اس وقت زمین پر کہیں نظر نہیں آتا۔ ان میں پہلا نظامِ زندگی جس کا دنیا میں راج ہے اسے سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کہتے ہیں۔ یہ انسانی ذہن کی تخلیق ہے۔ اپنی گوناگوں خرابیوں سمیت دنیا کی کثیر آبادی اور ممالک کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔

''سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی'' سے ''مادہ پرستی'' کو عروج ملا' جس کے نتیجہ میں ''ہوس پرستی'' اور ''جاہ پرستی'' کی طلب میں' تمام مادی وسائل بروئے کار لائے جانے لگے۔ نتیجتاً حرام' حلال کی تمیز مٹ گئی —— اور سودی کاروبار یعنی روایتی بینکنگ نے سرمایہ کاری کو ایک نیا رخ دیا' جس سے مادہ پرستی کی دوڑ میں پوری انسانیت شب و روز اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لا رہی ہے —— گویا مادہ سے مادہ کا حصول اور پھر اس کے ذریعے زندگی کی سہولیات کا حصول پوری انسانیت کی زندگی کا نظریہ بن گیا' جس نے پوری انسانیت کو تباہی و بربادی کے دھانے پر لا کھڑا کیا۔

دوسرا نظام زندگی اشتراکیت (Socialism یا Communism) ہے' جس کے بانی کارل مارکس اور لینن تھے۔ یہ بھی انسانی ذہن کی تخلیق ہے —— جو اپنی موت خود مر رہا ہے۔

تیسرا نظام زندگی جسے ہم ''اسلام'' کے اندر پاتے ہیں اور اس کی عملی صورت' سیرت النبی ﷺ اور سیرتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہمیں نظر آتی ہے۔ گو اس وقت پوری دنیا میں یہ نظام عملی شکل میں موجود نہیں ہے' تاہم یہ نظامِ زندگی آفاقی ہے اور کسی انسانی ذہن کی تخلیق نہیں ہے' بلکہ مالکِ کائنات کا عطا کردہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ''صفتِ بدیع''

اس ''خالق کائنات'' کی ایک صفت ''بدیع'' بھی ہے' جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے: ﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ (الانعام: ۱۰۱) یعنی تمام آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا۔

اب ''بَدِیْع'' کے لفظ کی تھوڑی سی تشریح کیے دیتے ہیں تاکہ بات زیادہ واضح ہو جائے۔ ''بدیع'' وہ ہستی ہے جو اس چیز کو وجود بخشے جس کا پہلے سے نہ تو کوئی وجود ہو اور نہ ہی اس کا کوئی نقشہ ہو۔ گویا پہلے بالکل معدوم ہو اور کہیں نظر نہ آتی ہو۔ خالق کائنات نے اس کائنات کو جو وجود بخشا ہے وہ عبث نہیں بلکہ کائنات میں پیدا شدہ ہر شے کا ایک مقصد ہے۔ وہ مقصد تخلیق کیا ہے' یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا ادراک ضروری ہے۔ جیسا کہ اللہ کے نبی ﷺ کے خطبات میں سے یہ جملہ بھی روایت ہوا ہے: ((فَاِنَّ الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ وَاَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَۃِ))(۱) یعنی یہ دنیا کا ساز و سامان اور مال و متاع تمہاری خدمت میں لگا دیا گیا ہے اور تم آخرت (یعنی اللہ کی بندگی کر کے جنت کے حصول) کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔ اس کی مثال یوں سمجھئے: سورج اپنے وقت پر صبح مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب کے وقت غروب ہوتا ہے۔ آج سے ہزار ہا برس پہلے' آج کی تاریخ کو' جس وقت سورج طلوع ہوا تھا' آج بھی اسی وقت طلوع ہوا اور آج ہی کی تاریخ میں' مغرب کے وقت' ہزار ہا برس پہلے' جب غروب ہوا تھا' اسی وقت غروب ہوگا۔ اس میں لمحہ بھر کی دیر سویر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دن کے وقت ساری مخلوق اس کی روشنی سے فائدہ اٹھاتی ہے اور اپنے کام کاج میں مصروف ہو جاتی ہے اور شام کے بعد آرام کرتی ہے۔ انسان اپنے گھروں میں' پرندے اپنے گھونسلوں میں' چیونٹیاں اپنے بلوں میں۔ گویا اس ہستی نے دن کو بنایا کام کے لیے اور رات کو بنایا آرام کے لیے۔ انسان جو فصلیں بوتا ہے' وہ اسی سورج کی گرمی سے پکتی ہیں' اور مخلوق کی زیست کا سامان مہیا ہوتا ہے۔ اسی طرح چاند اپنے کام میں مگن ہے۔ اس کی چاندنی سے پھلوں کے رس پک کر شیریں اور میٹھے ہو جاتے ہیں۔ زمین غلے کے ڈھیر اگلتی ہے اور پہاڑوں سے ہیرے' جواہرات اور قیمتی دھاتیں دستیاب ہوتی ہیں۔

سمندر کی اپنی ایک دنیا ہے' جس میں بے شمار مخلوق اپنی زیست کا سامان لیے ہوئے ہے اور انسان کی خوراک کے لیے اور دیگر قیمتی چیزیں اس سے میسر ہوتی ہیں۔ اب اسی ہستی کا ایک کمال یہ دیکھیں کہ جس چیز کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے' اسے وافر مقدار میں پیدا کرتی ہے۔ مثلاً پانی پر ہی زندگی کا انحصار ہے۔ انسان' نباتات' حیوانات چرند و پرند' سب اس کا استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے پوری دنیا میں پانی کے تین حصے پیدا کیے اور خشکی کا ایک حصہ رکھا۔ اس طرح اس ہستی نے ''پانی کا نظام'' قائم کیا۔ اسی طرح ہوا کو لیجیے۔ ہوا کے بغیر بھی زندگی محال اور دشوار ہے۔ ہوا ایک ایسی نعمت ہے جو اس ہستی نے پیدا کی ہے۔ اس کی یہ خصوصیت ہے کہ اسے دیکھا تو نہیں جا سکتا لیکن محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے اس ہستی نے ''ہواؤں کا نظام'' بنایا ہے۔ اندازہ کے مطابق جتنی ہوا کی مخلوق کو ضرورت ہوتی ہے' اتنی ہی ہوا وہ اپنے ''ہوا کے خزانوں'' سے بھیج دیتا ہے۔ ضرورت سے زیادہ ''ہوا'' اگر وہ ہستی بھیج دے تو دنیا کی ساری مخلوق تباہ و برباد ہو کر رہ جائے۔ جیسے ہم قرآن پاک میں دیکھتے ہیں قوم ''عاد'' پر جب اس ہستی نے عذاب بھیجنے کا فیصلہ کیا تو ''ہواؤں کے نظام'' کو حرکت میں آنے کا حکم دیا' تو وہ اتنی زیادہ مقدار میں اور اتنی تیز چلی کہ تمام کی تمام مخلوق ڈھیر ہو کے رہ گئی۔ اس ہستی کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ

---

(۱) تخریج الاحیاء للعراقی: ۲۵۲/۳

اس کے ارادہ کا نام وجود ہے۔ وہ کہتا ہے: ''ہو جا'' (کُنْ) تو وہ ہو جاتا ہے'' (فَیَکُوْنُ)۔ ایسا ممکن نہیں کہ یہ ہستی تمام مخلوق کو ''امر''، یعنی حکم دے کہ میرے حکم پر عمل کرو اور وہ عمل نہ کریں۔ تمام ''تکوینی امور'' جن میں زمین' آسمان' فرشتے' سورج' چاند' ستارے' پہاڑ' بارشوں کا نظام' ہواؤں کا نظام' فرشتوں کا نظام وغیرہ شامل ہیں اللہ کے ''امر'' سے سرمو انحراف نہیں کرتے۔ اور نہ ہی ایسا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

جُدا ہو دیں سیاست سے.....

ہم نے شروع میں بات کی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین (اسلام) کی بگڑی ہوی شکل ''عیسائیت'' ہے۔ کس طرح کلیسا نے مذہب کو الگ کیا اور سیاست کو الگ۔ ''مذہب'' کو انہوں نے چرچ کے اندر بند کر دیا اور ''سیاست'' کو چرچ سے باہر نکال لیا۔ گویا مذہب کا سیاست سے تعلق منقطع کر دیا —— مذہب بھی آزاد اور سیاست بھی آزاد۔

چنانچہ ''چرچ'' سے باہر زندگی کے تمام معاملات بشمول معاشرت' معیشت' سیاست' گویا زندگی کے ہر شعبہ کے بارے میں ''انسانی عقل'' استعمال ہوئی' جس کے نتیجہ میں ایک ''نظریہ زندگی'' وضع کیا گیا' جس کا دین اسلام' جو (عیسیٰ علیہ السلام) لائے تھے' اس کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہ رہا۔ یقیناً نظریہ زندگی ہی تو پوری زیست کو کنٹرول کرتا ہے اور اس کے لیے نئی نئی راہیں تجویز کرتا ہے۔ بالفاظِ دیگر نظریہ ہی زندگی کو چلانے (regulate کرنے) میں ایک مرکزی اور بنیادی کردار (pivotal role) ادا کرتا ہے۔ جس طرح جسم میں ''دل و دماغ'' جسم کے تمام اعضاء کو کنٹرول کرتے ہیں' اسی طرح نظریۂ زندگی ہر ہر بات میں رہنمائی مہیا کرتا ہے —— اس صورت حال کے نتیجہ میں عیسائیت گویا چرچ کے اندر عبادت یا پوجا پاٹ کی حد تک محدود ہو کر رہ گئی اور انہوں نے اسی کو ''مذہب'' سمجھا جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے دین ''اسلام'' کی نفی ہے —— اور یہ اس نظریہ سے سراسر انحراف ہے جو انبیاء کرامؑ انسانیت کے لیے لائے۔

نوعِ انساں را پیامِ آخریں

قرآن حکیم کے نزول کے بعد اب مزید ''سماوی کتب'' کی تنزیل کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ ''الہدیٰ'' اور ''الکتاب'' یعنی قرآن مجید' اللہ کی آخری ''سماوی کتاب'' صحیح اور مکمل شکل میں موجود اور محفوظ ہے۔ اس کتابِ ہدایت کی حفاظت قیامت تک' اللہ ربّ العزت نے' اپنے ذمہ لی۔ اس کے علاوہ کسی اور نبی کی ضرورت اس لیے نہ رہی کہ وہ کام جو اللہ رب العزت انسانیت کے ذمہ اپنے انبیاء کے ذریعہ سے لگانا چاہتے تھے وہ کام محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''خاتم النبیین'' ہونے کے باعث' ان پر ہی مکمل فرمایا اور ان کے احکامات اور ہدایات کو قیامت تک کے لیے جاری فرمایا اور آپؐ نے اس مشن کو اپنی اُمت کے سپرد فرمایا۔

گویا یہ بات طے ہو چکی کہ انسانیت کی نجات اللہ رب العزت کے آخری پیغام میں ہی ہے۔ اسی کو بطور ''نظامِ زندگی'' اپنا کر دُنیوی اور اُخروی کامیابی کا حصول ممکن ہے۔ اس وقت پوری انسانیت کو سرمایہ دارانہ نظام اور انسانی ذہن کے تخلیق کردہ دیگر نظاموں سے نجات دلانے کے لیے کس طرح از سرِ نو ''اجتماعی زندگی'' کی

شروعات کی جائیں؟ یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے —— ساری دنیا کے انسان جس رُخ پر چل رہے ہیں اور اس پر بڑی تیزی کے ساتھ گامزن ہیں‘ اسی کا چرچا کیا جاتا ہے اور اسی پر عمل پیرا بھی ہوا جاتا ہے —— حتیٰ کہ صحیح رخ کی ’’سوچ کے انداز‘‘ جس سے کوئی مثبت رویوں میں تبدیلی ممکن ہو سکے‘ کہیں نظر نہیں آتے —— یہ سب سے بڑا لمحہ فکریہ ہے۔ اسی ’’دلدل‘‘ کے اندر رہتے ہوئے محنت‘ کوشش‘ سعی اور اپنی صلاحیتیں لگانا‘ اپنے مال و جان اور وقت کو صرف کرنا بالکل عبث اور بے کار ثابت ہوگا۔

سود کی شناعت

پوری انسانیت اور خاص طور پر ’’مسلم اُمّہ‘‘ کے اندر‘ اس احساس کو اجاگر کرنا ہوگا کہ ہماری تباہی و بربادی کی وجہ مغربی افکار‘ مغربی طرزِ حیات‘ مغربی جمہوریت اور مغرب کا دیا ہوا سرمایہ داری نظام ہے۔ اسی نظام کے تحت ’’بینکنگ سسٹم‘‘ اور ’’سود‘‘ نے رواج پایا ہے‘ جو پوری انسانیت کو اپنی مضبوط گرفت میں لیے ہوئے ہے۔

سود کو ہی لے لیجیے‘ سود کے بارے میں قرآن و حدیث میں بے شمار وعیدیں ہیں جو کہ دل و جان کو ہلا دینے والی ہیں۔ مثلاً قرآن حکیم میں سودی نظام کو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کھلی جنگ قرار دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کھلی جنگ کا مطلب ابدی ناکامی کے سوا اور کیا ہوگا؟ ایک حدیث میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں:

((اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ حُوْبًا‘ اَیْسَرُھَا اَنْ یَنْکِحَ الرَّجُلُ اُمَّہٗ)) (۱)

’’سود کے گناہ کے ستر حصے ہیں۔ ان میں سے ہلکا ترین یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں کے ساتھ نکاح کر لے۔‘‘

اب ہم جائیں تو جائیں کہاں؟ ہماری نجات کی ہے کوئی صورت؟ یہ سود نہ صرف قوموں کی بلکہ افراد کی اقتصادی تباہی (economic break down) کا باعث بھی ہے۔ جہاں بھی اللہ کے ’’امر‘‘ کی نافرمانی ہوگی‘ اس کا بالآخر نتیجہ یہی ہوگا۔ اکثر اوقات افراد کا دماغی بلکہ اعصابی توڑ پھوڑ (nervous break down) بھی ہوتا ہے۔ اللہ کی نافرمانی کو دیکھ کر‘ شیطان اپنی من مانی کارروائیاں کرتا ہے اور کھل کھیلتا ہے۔ یہ بات انتہائی توجہ طلب ہے کہ اسی سود کی ترقی کے لیے تمام وسائل ابلاغ‘ ٹی وی‘ ریڈیو‘ اخبارات‘ رسائل و جرائد وغیرہ دن رات اسی کی مہم جوئی میں مصروف ہیں اور اسی کے ذریعے فحاشی‘ عریانی اور دیگر منکرات کو فروغ دیتے ہیں‘ جو اللہ ربّ العزت کی ناراضی کا باعث ہیں۔

سود در سود‘ قوموں کو دیمک کی طرح اس انداز میں کھوکھلا کرتا ہے کہ پوری قوم کو محسوس تک نہیں ہوتا اور وہ قوم معاشی اور اقتصادی طور پر بالکل اپاہج اور فالج زدہ ہو جاتی ہے۔ نتیجتاً پوری قوم اپنی موت خود بخود مر جاتی ہے —— سود کے شیطانی چکر سے صرف ’’اسلام‘‘ ہی نجات دے سکتا ہے۔ ’’اسلام‘‘ نے ایک ایسا ’’اقتصادی نظام‘‘ عطا فرمایا ہے جس میں سود کی نفی اور تجارت کو فروغ دینے کی ترغیب ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے: ﴿وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ﴾ (البقرۃ:۲۷۵) ’’اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے‘‘۔ وہ برکت‘ وہ رحمت‘ وہ بڑھوتری‘ جو اللہ ربّ العزت نے تجارت میں رکھی ہے‘ اس سے فرد یا قوم محروم رہتی ہے۔ اور یہی محرومی فرد اور

(۱) سنن ابن ماجہ‘ کتاب التجارات‘ باب التغلیظ فی الربا۔

قوم کی ناکامی کا باعث بنتی ہے۔ مادہ پرستی اور مغربی جمہوریت انسانیت کو ایسے خوبصورت دھوکہ میں ڈالا ہے کہ اس کے علاوہ انسانیت کو اور کوئی نظام ''خوبصورت'' نظر آتا ہی نہیں —— مادہ پرستی یعنی مال کی ہوس' جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''میری امت کا فتنہ مال ہے''۔ ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اس سے پیار کرتے ہیں' اسی کو حاصل کرنے کے لیے اپنے شب و روز اور اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ مال ہوگا تو چیزوں کا حصول ممکن ہوگا۔ چیزیں ہوں گی تو زندگی کی آسانیاں میسر ہوں گی۔ اس لیے ہم بھی غیر مسلموں کی طرح مال و دولت ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنانے کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں' اور اس مادہ پرستی کی دوڑ جس میں غیر مسلم مصروفِ عمل ہیں' ہم بھی اس دوڑ میں شامل ہونے کے لیے' بڑی سرعت کے ساتھ' ان سے بھی آگے بڑھنے کے لیے کوشاں ہیں۔

اسلام' ایک مکمل ضابطۂ حیات

''مالک کائنات'' نے اپنے انبیاء و رسل علیہم السلام کے ذریعے' ہماری دنیا و آخرت کی ضروریات پورا کرنے کا ضابطۂ حیات (code of life) عطا فرمایا ہے' جس میں مہد سے لحد تک یعنی پنگھوڑے سے لے کر قبر تک کی زندگی کے مختلف ادوار کے لیے بھرپور راہنمائی موجود ہے' جس میں بچپن' لڑکپن' جوانی' بڑھاپا' انسانی تعلقات' رشتوں کی پہچان' پڑوسیوں کے حقوق' والدین کے حقوق' اولاد کے فرائض' انفرادی زندگی' اجتماعی زندگی جس میں اقتصادی نظام' معاشرتی زندگی' سیاسی نظام' سماجی نظام غرضیکہ کوئی ایسا شعبۂ زندگی نہیں جس کے بارے میں مکمل طور پر رہنمائی ہمارے سامنے موجود نہ ہو۔ اس طریقۂ زندگی کی مکمل ترین صورت (final version) نبی آخر الزماں ﷺ کو دے کر مبعوث فرمایا گیا۔

یہی ضابطۂ حیات رہتی دنیا تک بلکہ قیامت سے قبل آخری انسان کی آمد تک جاری و ساری رہے گا اور اسی سے رہنمائی حاصل کر کے' دنیا و آخرت کے معاملات کو طے کیا جائے گا —— یہ ہے ''مالک کائنات'' کا تحفہ! ''دین اسلام'' یا ''اسلامی طرزِ زندگی'' یا ''اسلامی نظریہ حیات'' سماوی ہے' کسی انسانی سوچ کا نتیجہ نہیں —— یہ اُس ہستی کا دیا ہوا نظام ہے جس ہستی نے پورے کے پورے نظامِ کائنات کو وجود بخشا۔ اور جس کے ''ارادہ'' کا نام وجود ہے۔ جب کسی چیز کے ہونے کا ''امر'' کرتا ہے تو کہتا ہے ''ہو جا'' اور وہ ہو جاتی ہے۔ یہ ہے اس ہستی کا تصرف' جس کے ہاں ساری انسانیت قیامت کے دن جواب دہ ہے۔

آیئے اس بات کا عہد کریں کہ ہم ساری ''انسانیت'' تک اس ''سماوی'' پیغام کو پہنچا کر رہیں گے جسے ''اسلام'' کہتے ہیں اور جو تمام انبیاء کی محنت کا میدان تھا اور جس میں ان تمام سچائیوں اور ثمرات کا ذکر ہے جو ہماری ہی دنیا و آخرت کی بھلائی کے لیے ضروری ہیں' چنانچہ ہم خود اس پر عمل کرتے ہوئے اسے پوری انسانیت تک پہنچانے اور ان ابدی سچائیوں کے پیغام پر عمل کی دعوت دینے کا عزم اور ارادہ کریں۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہر کام کی ابتدا ہمیشہ سوچ' فکر اور ارادہ سے ہوتی ہے۔ آج ہم ارادہ کریں' خود عمل کریں' پھر دوسرے لوگوں کو دعوت دیتے ہوئے دلائل کے ساتھ قائل کرنے کی سعی و کوشش کریں —— حتیٰ

کہ ہم سب کی ساری کی ساری زندگی اسی محنت اور اس کے نتائج کے حصول کے لیے کھپ جائے تو یہ کسی سعادت سے کم نہیں۔ اور اللہ ربّ العزت سے امید ہے کہ آخرت میں ان شاء اللہ تعالیٰ ''سعید'' لوگوں میں ہمارا حشر ہو گا۔ پھر جنت ہوگی اور ہم ہوں گے۔ اللہ رب العزت کا دیدار ہوگا' جس سے بڑی کوئی اور نعمت نہیں ہوگی' اور سب سے بڑی خوشخبری یہ کہ اللہ ربّ العزت اعلان فرمائیں گے کہ میں جنتیوں سے راضی ہوں اور کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ اللہ رب العزت تمام مسلمانوں کو اس نعمت عظمیٰ کے حصول کے لیے محنت و مشقت اور جہد و کوشش کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ہدایت کی راہیں سعی و عمل سے کھلتی ہیں

انسان جس بات کے لیے جدوجہد کرتا ہے اور سعی و عمل اختیار کرتا ہے' اسی قدر اللہ ربّ العزت اس کی قبولیت اپنے فضل و کرم سے فرماتے ہیں۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۝۶۹﴾ (العنکبوت)

''اور جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کریں گے ہم لازماً ان کی راہنمائی کریں گے اپنے راستوں کی طرف۔ اور یقیناً اللہ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

اللہ رب العزت یقیناً ''محسنین'' کی قدر کرنے والے ہیں اور ان کے لیے ہر آن ہر گھڑی مدد و نصرت کا بندوبست کرتے ہیں۔ جو بھی شخص اللہ کے راستے میں جدوجہد کرتا ہے' اللہ رب العزت اس کے لیے ہدایت کی راہیں کھول دیتے ہیں۔

یہ اللہ کا قانون ہے اور اللہ کا ہر قانون فطرت کے مطابق ہے۔ حتیٰ کہ ایک بچہ کی پیدائش بھی ''فطرت'' پر ہوتی ہے اور فطرت ہمیشہ صحیح رخ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ہر ''بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے'' یعنی مسلمان۔ اسے اس کے ماں باپ یہودی یا عیسائی یا مشرک یا کافر بنا دیتے ہیں۔ کیونکہ ماحول افراد کی نفسیات' پرورش' سوچ و فکر پر اثر انداز ہوتا ہے اور فرد تاثر لیے بغیر رہتا نہیں۔ جیسا ماحول ہوگا ویسے ہی افراد تیار ہوں گے اور ویسا ہی معاشرہ معرضِ وجود میں آئے گا۔ ماحول اچھا اور صالح ہے تو معاشرہ کے افراد بھی اچھے اور صالح' ماحول برا اور پراگندہ ہے تو معاشرہ کے افراد بھی برے اور پراگندہ ہوں گے۔ کفر و شرک کے ماحول میں پیدا ہونے والے بچے کا کفر و شرک میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہوتا ہے' اِلا یہ کہ فطرتِ سلیمہ اس کی رہنمائی کرے اور وہ کفر و شرک سے بچ کر سلامتی کی راہ یعنی اسلام کو اختیار کر لے۔ جب اسے معلوم ہوگا: اَسْلِمْ تَسْلِمْ یعنی ''اسلام قبول کر' سلامتی میں آ جا''۔ تو یہ شعوری ایمان ہوگا جو مسلمان معاشرے میں پیدا ہونے والے بچے کو بچپن سے ہی اپنے والدین' گھر اور ماحول سے میسر ہوتا ہے۔

قرآن مجید اور ہماری ذمہ داری

تورات اور انجیل کے بارے میں قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ وہ اپنی اصل صورت میں دنیا میں باقی نہیں ہیں۔ دنیا میں صرف ایک ہی ''سماوی کتاب'' جسے قرآن مجید کہتے ہیں اور جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی' اپنی

اصل‘ محفوظ شکل میں موجود ہے‘ کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے تھا کہ خود بھی اس ’’کتابِ زندہ‘‘ سے رہنمائی حاصل کرتے اور پوری انسانیت کو بھی اس کی تعلیمات سے روشناس کراتے۔ لیکن ہوا یہ کہ مسلمانوں کے اپنے اندر ایمان کی کمزوری اور عمل کی کمی کی وجہ سے‘ وہ آفاقی احکام‘ جو قرآن مجید کے ذریعے ہم کو پہنچے ان پر عمل ہونا کم ہوتا گیا جبکہ ’’ایمان اور عمل‘‘ دونوں کی ایک ’’رسمی شکل‘‘ زندہ رہی اور ان کی ’’روحانی شکل‘‘ مفقود ہوتی چلی گئی۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ ایمان کی کمزوری کے باعث سب سے پہلے نماز میں سے خشوع اٹھا لیا جائے گا۔ یہ بات صرف نماز کے خشوع کے اٹھائے جانے تک ختم نہیں ہوتی‘ بلکہ ایمان کی کمزوری کی بنا پر‘ جتنے بھی نیک اعمال ہیں وہ خالصتاً دکھاوے کے لیے رہ جائیں گے اور ان کی اصل روح یعنی تقویٰ ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ اللہ رب العزت کو قربانی (جانور) میں سے بھی گوشت پوست تو نہیں پہنچتا بلکہ صرف اور صرف ’’تقویٰ‘‘ پہنچتا ہے۔

مغربی جمہوریت کی حقیقت

جمہوریت کی تعریف‘ ہم نے پہلے بھی عرض کی ہے کہ ایسی حکومت‘ جس میں بندوں کی حکومت‘ بندوں پر ہوتی ہے۔ گویا بندوں کو ’’بندوں کی غلامی‘‘ میں دینے کا نام جمہوریت ہے۔ اس میں بندوں کے استحصال کرنے کی کوئی صورت نہیں بچتی۔ بندوں کو ’’بندوں کی قید‘‘ میں ڈالنا‘ جن میں اچھے و برے‘ نیک و بد‘ عالم و جاہل‘ ذی عقل و بے عقل کے حق رائے دہی میں کوئی فرق نہیں۔ یہ نعرۂ جمہوریت دیکھنے میں بڑا اچھا لگتا ہے اور یہ خوبصورت دھوکہ ہے‘ جس میں بدکردار‘ باکردار‘ گدھے گھوڑے‘ عالم و جاہل‘ ان پڑھ اور پڑھے لکھے کی کوئی تمیز نہیں۔ بات یہاں تک ختم نہیں ہوتی بلکہ اس کے طریقہ انتخاب پر بھی ایک نظر ڈالیں تو اس کی خرابیاں خوب عیاں ہوں گی۔ بقول اقبال ؎

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے!

اور فارسی میں کیا خوب فرمایا ہے ؎

گریز از طرزِ جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید!

یعنی جمہوری نظام سے بچتے رہنا اور کسی پختہ کار کی غلامی اختیار کرنا۔ اس لیے کہ دو سو گدھوں کے دماغ جمع ہو کر بھی ایک انسان کی سوچ پیدا نہیں کر سکتے۔ ان اشعار سے بہت حد تک جمہوریت کی قلعی کھل جاتی ہے۔ اب ذرا اس کے چناؤ کے طریقہ پر نظر ڈالتے ہیں۔ ایک حلقہ انتخاب میں دو امیدوار کھڑے ہوتے ہیں‘ ایک امیدوار کو مثلاً سو (۱۰۰) ووٹوں میں سے اکیاون (۵۱) ووٹ ملتے ہیں اور دوسرے امیدوار کو سو (۱۰۰) ووٹوں میں سے انچاس (۴۹) ووٹ ملتے ہیں تو سو میں سے اکیاون ووٹ لینے والا امیدوار کامیاب قرار دیا جائے گا اور تمام امور کو نمٹانے کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا‘ حالانکہ وہ کامیاب امیدوار سو ووٹروں کا نمائندہ نہیں ہے‘ کیونکہ انچاس (۴۹) ووٹروں نے تو اسے اپنا امیدوار منتخب ہی نہیں کیا‘ تو یہ کیسی جمہوریت ہے؟

اس کے علاوہ جمہوریت کی خامیوں پر ایک نظر دوڑائیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں جہاں یہ سسٹم موجود ہے وہاں انسان' انسان کا دشمن ہے۔ ایک انسان دوسرے انسان کے خلاف سوچتا ہے۔ اس سسٹم کے ذریعے انسانوں کی آپس میں تفریق پیدا ہوتی ہے' لڑائیاں ہوتی ہیں' جھگڑے ہوتے ہیں' فساد برپا ہوتے ہیں' باہمی شکر رنجی' نااتفاقی' قتل وغارت' معاشرتی بگاڑ' معاشی ناہمواری' مذہبی منافرت کے علاوہ جمہوریت کی بدولت سیاسی زندگی اور معاشرتی زندگی کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ سوائے نفرتوں' سیاسی دھڑابندیوں' سیاسی طور پر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے' ایک دوسرے کی تضحیک اور خواہ مخواہ کی بہتان تراشی اور الزام تراشی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

مغربی جمہوریت بمقابلہ اسلامی نظام

یہ ہے ''مغربی جمہوریت'' کی کھلی حقیقت' جو کہ ''اسلامی نظام زندگی'' کی کھلی ضد ہے۔ اس کے مقابلے میں ''اسلامی نظام زندگی'' میں سیاست کے حوالے سے جو بات سامنے آتی ہے وہ مشاورت یعنی مشورے سے معاملات کا طے کرنا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ﴾ (آل عمران:۱۵۹) ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ معاملات میں ان سے مشورہ لیتے رہیں۔'' ایک اور جگہ ارشاد ہے: ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠﴾ (الشوریٰ:۳۸) ''اور ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں۔''

یہ نظام ہم نبی اکرم ﷺ کی ریاستِ مدینہ میں بھی دیکھتے ہیں کہ آپؐ کے وصال کے بعد خلفائے راشدین کا طرزِ سیاست بھی یہی رہا ہے۔ جیسے حضور اکرم ﷺ اپنے صحابہؓ سے مشاورت فرمایا کرتے تھے ایسے ہی خلفائے راشدین کے دَور میں مشاورت کا عمل جاری وساری رہا۔ ہر کام کرنے سے پہلے آپس میں مشاورت سے کام لیا جاتا تھا۔ مشاورت کے نتیجہ کے طور پر آپس میں خود اعتمادی' باہمی عزت واحترام' پیار ومحبت' شفقت ومودت' ایثار وقربانی اور رحمت ورأفت جیسے فضائل پیدا ہوئے۔ مشاورت سے تفریق' نفاق' بگاڑ کی جگہ اتفاق اور محبت و یگانگت کو وجود ملتا ہے۔ کیونکہ اسلام تو امن کا دین ہے اور امن کا ہی داعی ہے اور امن کو پوری دنیا میں قائم کرنے کے لیے آیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ اَسْلِمْ تَسْلِمْ ''اسلام قبول کر اور سلامتی حاصل کر!''

آج بھی اسلامی ریاست کے تحت سیاسی نظام کی بنیادیں اسلام کے اصولوں پر استوار کی جائیں تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ تمام انسانیت امن کا گہوارہ نہ بنے۔ یہ ایک تسلیم شدہ' ٹھوس حقیقت ہے کہ اسلام اور صرف اسلام امن وسلامتی کی ضمانت دیتا ہے۔ باقی تمام ادیان ومذاہب کا ہم کسی حد تک جائزہ لے چکے ہیں کہ وہ اپنی اصل حالت میں موجود ہی نہیں' ان میں مکمل تحریف ہو چکی ہے۔ وہ اس قابل ہی نہیں کہ تمام انسانیت کو امن وسلامتی دے سکیں' کیونکہ ''روحِ اسلام'' جو تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کی مشترکہ دعوت تھی وہی اس میں سے غائب ہے۔

اسلام کا نظامِ معیشت

مغرب کا دیا ہوا دوسرا تحفہ ''سرمایہ دارانہ نظام'' ہے جس میں دولت کا ارتکاز ہے اور اس میں وسائل دولت کو مزید وسائل دولت پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں ''اسلامی نظام زندگی'' ہماری کس طرح رہنمائی کرتا ہے؟ اسلام کے نظامِ اقتصادیات میں دولت کے کمانے پر

کوئی پابندی نہیں' جتنی چاہے دولت کماتے چلے جائیے' البتہ پابندی صرف اس بات کی ہے کہ دولت کمانے کے طریقے ایسے ہوں جو معروف ہوں' یعنی حلال طریقوں سے جتنی چاہے دولت اکٹھی کریں' لیکن اللہ ربّ العزت نے آپ کی کمائی ہوئی دولت کے اندر ان مستحق لوگوں کا حصہ بھی رکھا ہے جو اتنی دولت نہیں کما سکے جس سے وہ اپنی عزت کے ساتھ گزر اوقات کر سکیں۔ اس کے لیے اسلام نے ہمیں دو بڑے ''نظامِ معیشت'' عطا فرمائے ہیں' جن کے ذریعے سے دنیا میں انسانوں کے اندر جو معاشی ناہمواری پائی جاتی ہے' اس کا ازالہ کیا گیا ہے' تاکہ دنیوی زندگی میں معاشی ناہمواری ان کے لیے اپنے اللہ کی بندگی (یعنی عبادت) بجالانے میں کسی قسم کی رکاوٹ کا باعث نہ بنے۔ ایک ہے: نظامِ زکوٰۃ اور دوسرا نظامِ صدقات۔

''نظامِ زکوٰۃ'' کے بارے میں بالکل واضح طور پر حکم دیا گیا کہ اہل ایمان اس کو قائم کریں۔ قرآن حکیم میں اکثر و بیشتر جہاں بھی ''نظامِ صلوٰۃ'' قائم کرنے کا حکم دیا گیا' وہاں ''نظامِ زکوٰۃ'' قائم کرنے کا حکم بھی اللہ ربّ العزت نے جاری فرمایا۔ جس طرح صلوٰۃ کا قیام انسان کے جسم اور روح کی تطہیر میں مدد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کے نظام کا قیام انسان کے مال کی تطہیر اور پاکی کا باعث بنتا ہے۔ گویا مال کی جو میل کچیل دل میں بیٹھ جاتی ہے اس کی تطہیر کا ذریعہ اللہ رب العزت نے زکوٰۃ کو بنایا۔ چنانچہ اس کے واضح فوائد ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک تو معاشی ناہمواری انسانوں کے اندر سے دور ہوتی ہے۔ دوسرا زکوٰۃ دینے والے کے مال کی تطہیر کے ساتھ ساتھ اس کو روح کی بالیدگی بھی حاصل ہوتی ہے۔ اور سب سے بڑی بات اللہ رب العزت کا ایک ''امر'' پورا ہوتا ہے جو زکوٰۃ دینے والے کے لیے اللہ کی رضا کا باعث ہوگا۔ ذرا تھوڑی دیر کے لیے غور فرمائیے' اللہ کے اس امر کے پورا کرنے میں انسانی فلاح کے کن کن پہلوؤں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اس طرح کے احکام صرف اور صرف ایسی ہستی ہی صادر فرما سکتی ہے جو غنی بھی ہو اور صمد بھی ہو۔ کیونکہ وہ تو ہر حاجت سے پاک ہے' اسے تو صرف اپنے بندوں کی بہتری مقصود ہے' خواہ زکوٰۃ لینے والے ہوں یا دینے والے۔ ''شرح زکوٰۃ'' جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کی وہ پورے مال میں سے صرف اڑھائی فیصد' یعنی بندہ ۱۰۰ روپے کی مالیت میں سے صرف اڑھائی روپے' زکوٰۃ کے طور پر ادا کر کے اپنے مال کو پاک کرے اور اللہ کے ''امر'' کو پورا کرتے ہوئے اللہ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرے۔

دوسرا نظامِ صدقات ہے۔ صدقات ادا کرنے کی مالک کائنات نے کوئی شرح مقرر نہیں کی' بلکہ جتنا مال حاجت مندوں اور ضرورت مندوں تک آپ پہنچا سکیں' اتنا ہی اللہ کا قرب نصیب ہوگا۔ اس بات کی ترغیب دی کہ جو مال تمہاری ضرورتوں سے زائد ہو' اس کو اللہ کے راستے میں صدقہ کرو۔

اب ذرا سوچیے! جس معاشرہ میں افراد کی ضروریات کا اس قدر خیال رکھا جائے گا وہاں معاشی ناہمواری کیسے پیدا ہوگی؟ یہ شان صرف اور صرف اسلام کی ہے کہ اُس نے ایک ایسا نظام متعارف کرایا جس میں انسانیت کے لیے خیر ہی خیر ہے' بہتری ہی بہتری ہے' بھلائی ہی بھلائی ہے' کیونکہ اسلام کی سچائیاں ہی اس کا حسن ہیں۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں اسلام صرف معرفت کا نام نہیں بلکہ عمل کا نام بھی ہے۔

کیا سیکولرزم اور اسلام ایک ساتھ چل سکتے ہیں؟

اب ایک اور سوال ذہن میں اُبھرتا ہے کہ کیا سیکولرازم (Secularism) اور اسلام ایک ساتھ چل (co-exist کر) سکتے ہیں؟ سیکولرازم' سوشلزم' سرمایہ داری نظام' کیا ان کی موجودگی میں ''اسلام'' پر عمل پیرا ہوا جا سکتا ہے؟ اس کا بالکل سادہ سا جواب ہے کہ جب بھی کسی نظریہ حیات کا انتخاب کیا جائے گا تو اس کے ہر پہلو اور ہر گوشہ کو اپنی عملی زندگی میں لاگو کرنا ہوگا۔ اس کے بغیر وہ نظامِ زندگی جو مراعات انسانیت کو دینا چاہتا ہے ان کا حصول ممکن نہیں۔ یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس وقت حیاتِ انسانی کو دو گوشوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک گوشہ زندگی کو private affairs of life اور دوسرے گوشہ زندگی کو Public affairs of life کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ان کے نام سے ہی واضح نظر آتا ہے کہ ''دو گوشوں'' میں تقسیم ہونے والی زندگی' انفرادی اور اجتماعی' کیونکر کامیابی سے ہم کنار ہو سکتی ہے جب تک اس کی نظریاتی بنیادیں مضبوط نہ ہوں!

اسلام کے بنیادی عقائد

اب ''اسلام'' کا ''نظریۂ حیات'' ایک دفعہ پھر دیکھتے ہیں۔ اس کی بنیاد ہی ''عقیدۂ توحید'' پر ہے۔ گویا ربّ کائنات جو مالک کائنات بھی ہے اور اپنی کائنات پر تصرف کرنے کی بھی قدرت رکھتا ہے اور مالک یوم الدین بھی ہے' قیامت کا دن بھی وہی برپا کرے گا اور ہر انسان کے فیصلے بھی خود فرمائے گا' بغیر کسی وزیر' مشیر کے۔ ''اسلام'' جو ''نظریہ حیات'' انسانیت کے لیے پیش کرتا ہے' اس میں تین بنیادی عقائد ہیں:

(۱) اللہ کی وحدانیت کو ماننا (عقیدۂ توحید کا اقرار)

(۲) اللہ کے رسول ﷺ کی مکمل اطاعت (پیدائش سے موت تک)

(۳) معاد یعنی قیامت پر ایمان (گویا دوبارہ زندہ ہونے اور حساب کتاب کے لیے پیش ہونے اور جنت و دوزخ کو برحق ماننا)

درج بالا تین ایمانیات کے عقائد ہی اسلام نے انسانیت کے سامنے پیش کیے۔ جو فرد بھی ان سے انحراف کرے گا' گویا زبان سے اقرار نہیں کرے گا اور دل سے اس کی تصدیق نہیں کرے گا اور اسے اپنی عملی زندگی میں جاری و ساری نہیں کرے گا' تو وہ خسران اور گھاٹے میں رہنے والوں میں سے ہوگا۔ ہر فرد کی جواب دہی' آخرت میں الگ الگ ہوگی۔ چونکہ ''معاشرہ'' کا وجود بھی ''افراد'' ہی سے بنتا ہے لہٰذا جب افراد کا محاسبہ ہوگا تو معاشرہ بھی اس محاسبہ کی لپیٹ میں آئے گا۔ کیونکہ انسانیت کو یہ تعلیم دی گئی ہے:

((حَاسِبُوْا اَنْفُسَكُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا)) (۱)

''اپنے آپ کا محاسبہ کرو' پیشتر اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے (قیامت کے دن)۔''

نبی اکرم ﷺ کے ایک فرمان کا مفہوم ہے کہ: جنت ایک چٹیل میدان ہے جس کی مٹی بڑی زرخیز ہے' وہاں کے باغات ہم نے خود ہی لگانے ہیں' اللہ کے ذکر سے' یعنی سبحان اللہ' الحمد للہ' اللہ اکبر' لا الٰہ الا اللہ۔ صدق دل سے ان کا ادا کرنا گویا جنت کے پودے لگانا ہے۔

(۱) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا قول ۔ مسند الفاروق لابن کثیر : ۶۱۸/۲

مسلم اُمّہ کی ذمہ داری

اب پوری انسانیت کو تباہی کے گڑھے سے بچانے کے لیے حضور اکرم ﷺ کی اس آخری اُمت کی ذمہ داری لگائی گئی ہے کہ قیامت تک آنے والے انسانوں کو جنت کی بشارتیں سنائیں اور دوزخ کی ہولناکیوں سے خبردار کریں۔ گویا ((بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً))(۱) کے مصداق اگر ایک آیت بھی آپ کو یاد ہے تو اسے دوسروں تک پہنچائیں —— پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس وقت دنیا کی کل آبادی سات ارب ہے' جس میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً ڈیڑھ ارب بنتی ہے —— ہر مسلمان اٹھ کھڑا ہو اور اپنے کام میں لگ جائے' وہ کام جو حضور ﷺ کی ختم نبوت کے طفیل اس آخری اُمت کو عطا ہوا ہے۔ کوئی مانے نہ مانے' ہمیں ہر حال میں اللہ کے پیغام کو اس کے بندوں تک پہنچانا ہے اور بندوں کو بندوں کی غلامی سے نجات دلانا ہے۔ اس کے ساتھ ہی بندوں کو اللہ کی غلامی میں لانا ہے۔ یہی تو انبیاء کرامؑ کی بعثت کا مقصد ہوا کرتا تھا۔ یہی اللہ رب العزت کی منشا ہے اور یہی ہمارا مقصد زندگی ہونا چاہیے۔ تب اللہ کی رحمت و رأفت سے توقع کی جا سکتی ہے کہ آخرت میں وہ ہمارے حال پر رحم فرمائے گا (ان شاء اللہ) اور ہمارا حشر بھی صالحین کے ساتھ ہوگا۔ بہرکیف شروعات ضروری ہیں' خواہ سوچ کے ذریعے سے ہی کیوں نہ ہوں' کیونکہ پہلا قدم بھی اس پہلی سوچ کا ہی محتاج ہوا کرتا ہے۔ عقل انسانی' جو انسان کو بطور نعمت ودیعت کی گئی ہے' اسے بروئے کار لاتے ہوئے عملی لائحہ عمل اختیار کرنا ازبس ضروری ہے۔

آیئے ہم سب مل کر عالمی معاشرے —— گویا ساری ''انسانیت'' کو —— انسانوں کی غلامی سے نجات دلائیں اور بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں لانے کی سعی و جُہد کرنے کا مصمّم ارادہ کریں۔ اس کے ساتھ ہی' معاشرے کے ان تمام غلط رویوں کے خلاف علم بغاوت بلند کریں اور ان کو بدلنے کے لیے' ان کے سامنے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہو جائیں۔ اس طرح اللہ کی اس منشا کو پورا کرنے کے لیے اس کے راستے میں اپنا سب کچھ لگا دیں یعنی مال و جان' وقت اور اللہ کی عطا کردہ ساری کی ساری صلاحیتیں اس کی راہ میں خرچ کر ڈالیں۔ جب ہاتھ خالی رہ جائیں تو اپنے ہاتھ اللہ ربّ العزت کے سامنے پھیلائیں' اس دعا کے ساتھ کہ اے اللہ! اے قادرِ مطلق! اے ذوالجلال والاکرام' اے قوّۃ المتین' اے علام الغیوب! ہماری غیب سے مدد و نصرت فرما' جس طرح تو اپنے انبیاء اور صلحاء کی مدد کیا کرتا ہے۔ آمین! پھر دیکھئے' اللہ کیا کرتا ہے! اُس کا ''غیبی نظام'' کیسے حرکت میں آتا ہے۔

اپنی اور آپ سب کی تسلی کے لیے آخری بات عرض کرتا ہوں کہ کامیابی اور ناکامی کا دار و مدار نتائج پر مبنی نہیں' بلکہ خلوصِ نیت اور پختہ ارادوں سے محنت کرنے والوں کے کیے ہوئے اعمال پر منحصر ہے' کیونکہ بعض انبیاء کرامؑ کا ایک اُمتی بھی نہ تھا' لیکن تمام انبیاء اپنے مشن میں سو فیصد کامیاب رہے۔ یہ اللہ کی سنت ہے کہ وہ کسی کی اخلاص و ایمان کے ساتھ کی ہوئی محنت کو ضائع نہیں کرتا' بلکہ اس کا اجر ضرور عطا فرماتا ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب احادیث الانبیاء' باب ذکر عن بنی اسرائیل۔

اللہ تعالیٰ سے دعا

آخر میں دعا ہے کہ اللہ ربّ العزت باطل اور کفر کو مٹائے اور حق کا غلبہ اور بول بالا ہو۔ جب حق آتا ہے تو باطل مٹ جاتا ہے' کیونکہ باطل تو مٹنے ہی والی چیز ہے' بالفاظِ قرآنی:

﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝۸۱﴾ (بنی اسراء یل)

اس دعوت کے نتیجہ میں کفر اور باطل پر چوٹ پڑے گی اور وہ کمزور ہوگا۔ ہمیں اپنی زندگی کے رخ کو اسلام کی حقیقی روح کی طرف موڑنا ہوگا۔ تمام عبادات کو ان کی اصلی روح کے ساتھ زندہ کرنا ہوگا۔ تمام انسانی معاملات کو اللہ کی مرضیات کے مطابق طے کرنا ہوگا۔ کفر کو نشانہ بنانا ہوگا اور پوری قوت کے ساتھ باطل کی جڑوں کو کھوکھلا کرنا ہوگا۔ باطل کے گھر کی مثال تو مکڑی کے جالے کی سی ہے' کہ بہت ہی کمزور اور ناپائیدار ہوتا ہے' ہوا کے ایک جھونکے سے ملیامیٹ ہو جاتا ہے۔

اللہ اپنے وعدوں میں سچا ہے' وہ اپنے صالح بندوں اور وہ بندے جو اُس کے کام میں لگے ہوئے ہوں' ان کی ضرور بر ضرور مدد و نصرت کرتا ہے۔ اس کی غیبی امداد بھیجنے کے طریقے اپنے بندوں کو ہمیشہ کامیاب و کامران کرتے ہیں۔ ایک بار پھر اللہ ربّ العزت کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں اس دعا کے ساتھ:

اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ ﷺ وَاجْعَلْنَا مِنْھُمْ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ ﷺ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنْھُمْ

❁❁❁

بقیہ: حج کی فرضیت اور فضیلت

وسعت ہونے کے باوجود حج کی ادائیگی میں تاخیر کرنا مناسب نہیں۔ مہلت عمر کا کچھ پتا نہیں' اس لیے جب حج کی فرضیت کی تمام شرائط پوری ہوں تو سارے کام چھوڑ کر حج کا سفر اختیار کرنا چاہیے۔ وسعت ہوتے ہوئے حج نہ کرنا بڑی بدنصیبی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس کے پاس سفرِ حج کا ضروری سامان ہو اور اس کو سواری میسر ہو جو بیت اللہ تک اس کو پہنچا سکے اور پھر وہ حج نہ کرے تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر''۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ کے لیے بیت اللہ کا حج فرض ہے ان لوگوں پر جو اس تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں''۔ (ترمذی) جب کسی مسلمان کو حج کی استطاعت میسّر آ جائے تو ہر عذر کو پس پشت ڈال کر حج کرنا چاہیے۔ اکثر ملازم پیشہ لوگوں سے سنا ہے کہ ریٹائر ہو جائیں گے تو حج کریں گے۔ یہ بہت بڑا دھوکہ ہے۔ اس صورت میں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ اگر حج کی استطاعت ہوتے ہوئے حج نہ کیا اور وفات کا وقت آ گیا تو پھر اس کی تلافی کیسے ہوگی!

زیر درس حدیث سے جہاں حج کی اہمیت و فضیلت معلوم ہوتی ہے وہاں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ کے احکام کی کھوج کرید میں پڑنے کی بجائے سیدھے سادے انداز میں ان پر عمل کرنا چاہیے۔ نیز یہ کہ فرض حج عمر میں ایک ہی دفعہ ہے' نفل جتنی دفعہ مرضی کرے' فائدہ ہی فائدہ ہے۔ ❁❁❁

کتاب نُما

تعارف وتبصرہ

(۱)

نام کتاب : سیرتِ خیرالانام علیہ الصلوٰۃ والسلام

مصنف : ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

ضخامت : ۲۴۰صفحات قیمت: ۱۸۰ روپے

ناشر: مکتبہ خدام القرآن' ۳۶۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور۔

عصرِ حاضر میں قرآن مجید کے علم وحکمت کی نشر واشاعت اور اس کی انقلابی دعوت کو عام کر کے ''داعی الی القرآن'' کا خطاب پانے والے ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بیسویں صدی کے مشہور مدرسین قرآن میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی تعلیمات کا مرکز ومحور قرآن مجید تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُنہوں نے لوگوں کو قرآن حکیم کی تعلیمات سے روشناس کرانے کے لیے انتہائی فکر انگیز خطابات ارشاد فرمائے' جن میں سے اکثر اب کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں' مثلاً: مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق' تعارفِ قرآن' عظمتِ قرآن' قرآن اور امنِ عالم' انفرادی نجات اور اجتماعی فلاح کے لیے قرآن کا لائحہ عمل' جہاد بالقرآن اور اس کے پانچ محاذ' وغیرہ۔

قرآن مجید کے ساتھ ساتھ سیرتِ مطہرہ بھی ڈاکٹر صاحب کا خاص موضوع تھا۔ پھر سیرت میں سے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق انقلاب اور اس کے مراحل سے ڈاکٹر صاحب کو خصوصی لگاؤ تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے سیرت پر موجود خطابات اور تحریرات میں سیرت کا یہی حصہ غالب اور نمایاں نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی زندگی کی ۷۸ بہاروں میں سیرت پر اندرون وبیرونِ ملک سینکڑوں کی تعداد میں خصوصی لیکچرز دیے۔ ان لیکچرز میں سے اکثر اپنی خاص اہمیت کے پیش نظر کتابی صورت میں بھی شائع ہوئے' مثلاً منہجِ انقلابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم' رسولِ انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق انقلاب' رسولِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم' اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ بعثت' عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں' حُبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اُس کے تقاضے' وغیرہ۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی زندگی کے آخری ایام (ربیع الاوّل وربیع الثانی ۱۴۳۱ھ بمطابق فروری ومارچ ۲۰۱۰ء) میں سیرتِ مطہرہ کے موضوع پر اپنی زندگی کی تعلیمات اور فکر کا نچوڑ قرآن آڈیٹوریم لاہور میں ہونے والے پانچ مفصّل خطابات میں بیان فرمایا۔ ''سیرتِ خیرالانام علیہ الصلوٰۃ والسلام'' انہی خطابات کا مجموعہ ہے۔ ان خطابات کی ترتیب وتدوین کی سعادت محبوب الحق عاجز (نائب مدیر ''ندائے خلافت'') کے حصے میں آئی۔ قبل ازیں انہیں ''ندائے خلافت'' میں قسط وار شائع کیا گیا اور اب کتابی شکل میں ''سیرت خیرالانام علیہ الصلوٰۃ والسلام'' کے عنوان سے

شائع کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ کتاب سیرتِ مطہرہ کے موضوع پر اُن کی دوسری ضخیم کتاب ہے جو ۲۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کو پانچ خطابات/ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے: (۱) فلسفۂ دین میں نبوت و رسالت کا مقام' (۲) آنحضور ﷺ پر نبوت و رسالت کی تکمیل' (۳) حزب اللہ کی تیاری کا نبوی طریق' (۴) باطل سے تصادم کے ابتدائی مراحل' اور (۵) باطل سے تصادم کے تکمیلی مراحل۔

پہلے خطبہ میں ڈاکٹر صاحب نے فلسفہ دین میں نبوت و رسالت کا مقام و مرتبہ واضح کرنے کے ساتھ ساتھ فزیکل سائنسز اور قرآن کی ہم آہنگی' قرآنی میٹافزکس' حیاتِ انسانی کے پانچ اَدوار اور انسان کے محاسبہ اُخروی کی پانچ بنیادوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر صاحب نے عالمِ امر اور عالمِ خلق کا فرق بیان کرنے کے بعد انسان کو عالمِ خلق کی تخلیق کا نقطہ کمال قرار دیا اور پھر انسان کی معنوی شخصیت کی تین سطحیں بھی مفصل انداز میں بیان کیں۔ بعدازاں انہوں نے اس بات کی توضیح کی کہ انذار و تبشیر انبیاء کرام علیہم السلام کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ اور ختم نبوت کے بعد دین کا ابلاغ، شہادتِ حق کی ذمہ داری اُمت کے کندھوں پر آن پڑی ہے۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ اس ذمہ داری سے پہلوتہی کی وجہ سے اُمت مسلمہ اس ذلت و مسکنت کا شکار ہے۔ اس خطبہ کے آخر میں ڈاکٹر صاحب نے ''تصویر کا روشن رُخ'' کے عنوان کے تحت اُن احادیث کو بیان کیا جن میں یہ پیشین گوئیاں موجود ہیں کہ قربِ قیامت میں اس پورے روئے ارضی پر اللہ کا دین غالب آ کر رہے گا اور اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اس کا نقطہ آغاز افغانستان اور پاکستان ہوسکتا ہے۔ اس لیے ہم سب کو دین کے غلبہ و اقامت کے لیے اپنا تن من دھن لگانا ہوگا تاکہ شہادت علی الناس کا بنیادی فریضہ ادا ہو سکے۔

دوسرے خطبہ ''آنحضور ﷺ پر نبوت و رسالت کی تکمیل'' میں ختم نبوت کے دلائل کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اولاً قرآنی آیات اور ثانیاً احادیث مبارکہ کی روشنی میں عقیدۂ ختم نبوت کو بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اس بات کو اُجاگر کیا ہے کہ: ''نبی اکرم ﷺ پر نبوت اور رسالت کا صرف اختتام ہی نہیں ہوا' بلکہ اتمام اور اکمال بھی ہوا ہے''۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے نبی اکرم ﷺ پر تکمیل نبوت و رسالت کے مظاہر کو بڑی عمدگی سے بیان کر کے واضح کیا ہے کہ پورے روئے ارضی پر اللہ کے دین کو غالب کرنا اس اُمت کی ذمہ داری ہے اور اگر اُمت یہ کام نہیں کرتی تو وہ مجرم ٹھہرے گی۔

تیسرا خطبہ اس سوال کے جواب پر مشتمل ہے کہ پورے روئے ارضی پر غلبہ دین کیسے ہوگا اور اس کا طریقہ کار کیا ہوگا؟ اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے تاریخ انسانی کے عظیم ترین انقلابِ نبوی کی روشنی میں کسی بھی نقلابی عمل کے تین مراحل کو مفصل انداز میں بیان کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے جماعت سازی کو انقلاب کا پہلا مرحلہ قرار دیا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے جماعت سازی کے طریق و لوازم کو انتہائی تفصیل سے بیان کیا اور بیعت کو جماعت سازی کی مسنون بنیاد قرار دیا۔ اسی باب میں ڈاکٹر صاحب نے فرد کی تبدیلی کے لیے قرآن حکیم کے پروگرام کو تقریباً ۲۰ صفحات میں مدلّل انداز میں بیان فرمایا جو یقیناً اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔

چوتھے خطبہ میں ڈاکٹر صاحب نے انقلابی عمل کے اگلے مراحل کو بیان کرنے سے پہلے چند تمہیدی باتیں

بیان کیں جن میں نبی اور رسول کے مابین نسبت اور فرق انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے (۱) انقلابِ نبویؐ میں معجزوں کا عمل دخل نہیں' (۲) انقلابِ نبویؐ کا اساسی منہج' اور (۳) تصادم کا آغاز انقلابی کرتے ہیں' کے عنوانات پر سیر حاصل گفتگو کی۔ان کے بعد ڈاکٹر صاحب نے انقلابی عمل کے دوسرے جبکہ باطل سے تصادم کے پہلے مرحلے ''صبرِ محض'' کو بیان کیا اور آخر میں صبر محض کی حکمت کو بھی واضح کیا۔

پانچویں خطبہ میں ڈاکٹر صاحب نے صبرِ محض کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کے سفر طائف اور اس کی سختیوں کو بیان کیا۔ پھر اس ضمن میں بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ موضوع کی مناسبت سے مدینۃ النبی کا تاریخی پس منظر بھی بیان کیا۔اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے باطل سے تصادم کے دوسرے مرحلے ''اقدام اور مسلح تصادم'' کو بیان کیا۔ڈاکٹر صاحب کے مطابق ہجرتِ مدینہ اور میثاقِ مدینہ کے بعد نبی اکرم ﷺ نے اقدام کے طور پر غزوۂ بدر سے پہلے آٹھ چھاپہ مار مہمات روانہ کیں جن میں سے چار میں آپ ﷺ خود شریک ہوئے ۔ڈاکٹر صاحب کی نظر میں ان مہمات کا مقصد قریش کی معاشی اور سیاسی ناکہ بندی تھا۔اس کو بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ترتیب کے ساتھ غزوۂ بدر' غزوۂ اُحد' غزوۂ احزاب' معاہدہ صلح حدیبیہ' فتح مکہ اور اس کے پس منظر کو مفصل اور خوبصورت پیرائے میں بیان فرمایا۔اس سلسلے کے آخر میں ڈاکٹر صاحب نے ''جزیرہ نمائے عرب میں شرک کے مکمل قلع قمع کا آخری اقدام'' کے عنوان سے انقلابی عمل کے اس مرحلہ کا آخری حصہ بیان کیا۔ان کو بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے انقلابی عمل کے تیسرے مرحلے ''انقلاب کی توسیع'' پر چند اہم عنوانات کے تحت سیر حاصل گفتگو کی: (۱) بیرونِ عرب دعوتِ اسلام اور سلاطین کا ردِعمل' (۲) غزوۂ تبوک: اہل ایمان کا سخت ترین امتحان' اور (۳) قیامِ خلافت کے ضمن میں غور طلب سوال!

ڈاکٹر صاحب کی سیرت پر پہلے سے موجود کتابوں میں ''سیرت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام'' کی انفرادیت کے حوالے سے کتاب کے مرتب محبوب الحق عاجز نے ''عرضِ مرتب'' میں تین نکات بیان کیے ہیں' جن کا خلاصہ یہ ہے: (۱) ڈاکٹر صاحب نے فلسفۂ انقلاب کے زاویۂ نگاہ سے سیرت کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ فلسفۂ نبوت و رسالت' عقیدۂ ختم نبوت اور بعض دیگر مباحث کو بھی بڑی عمدگی کے ساتھ اور نہایت مدلل انداز میں بیان کیا ہے۔ (۲) ڈاکٹر صاحب نے اِن خطابات میں مراحلِ انقلاب کو سات کی بجائے تین مرحلوں کی صورت میں بیان کیا ہے۔ پہلا مرحلہ جماعت سازی ہے' جو دعوت' تنظیم اور تربیت کا جامع عنوان ہے۔ دوسرا مرحلہ تصادم ہے' جو صبر محض' اقدام اور مسلح تصادم پر محیط ہے اور تیسرا مرحلہ انقلاب کی توسیع ہے۔ (۳) یہ ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے آخری عوامی خطابات تھے۔اس کے بعد زندگی نے انہیں زیادہ مہلت نہیں دی اور اس سلسلہ کے آخری خطبہ (جو ۱۴ مارچ ۲۰۱۰ء کو ہوا) کے ٹھیک ایک ماہ بعد آپؒ ۱۴ اپریل ۲۰۱۰ء کو بقضائے الٰہی وفات پا گئے۔ بنا بریں کہا جا سکتا ہے کہ یہ خطابات سیرت مطہرہ کے موضوع پر ڈاکٹر صاحب کے فکر کا نچوڑ ہیں۔

الغرض ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی ''سیرت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام'' سیرت مطہرہ کے موضوع پر ایک عمدہ اور قابل تحسین

اضافہ ہے جو سیرتِ مطہرہ اور اس کے پیغام سے آگاہی کے لیے نہایت مفید ثابت ہوگی‘ ان شاء اللہ --- دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے درجات کو بلند فرمائے اور اس کتاب کو اُن کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین یارب العالمین! (تبصرہ نگار: حافظ محمد زاہد)

(۲)

نام کتاب : مولانا عبدالغفار حسن رحمۃ اللہ علیہ: حیات وخدمات

مؤلفین : ڈاکٹر صہیب حسن‘ ڈاکٹر سہیل حسن

ضخامت : ۵۹۷ صفحات قیمت: درج نہیں ☆ ناشر: محمد سرور عاصم

ملنے کا پتہ: مکتبہ اسلامیہ‘ غزنی سٹریٹ‘ اردو بازار‘ لاہور

مولانا عبدالغفار حسن رحمۃ اللہ علیہ کا شمار عصرِ حاضر کے نامور اور معروف علمائے محدّثین میں ہوتا ہے۔ یہ کتاب ان کے حالاتِ زندگی‘ تذکرۂ ایام اور سوانح حیات پر مشتمل ہے۔ کتاب پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ صرف ایک عالم دین اور مردِ مجاہد کی آپ بیتی ہی نہیں بلکہ ایک عالم کی تاریخ ہے اور پیش لفظ‘ تین حصوں اور ضمیمہ جات پر مشتمل ہے۔

کتاب کا پہلا حصہ

کتاب کے پہلے حصہ میں مولانا عبدالغفار حسن کے خاندان‘ ابتدائی تعلیم وتربیت‘ جماعت اسلامی سے وابستگی کے سولہ سال‘ مدینہ یونیورسٹی میں بطور مدرس ۱۶ سال قیام‘ اسلامی نظریاتی کونسل کے نو سال اور ان کے غیر ملکی اسفار کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ اس حصہ میں ان کے نامور مشائخ اور شاگردوں کا بھی تعارف کروایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس حصہ میں نامور علماء‘ معروف مشائخ اور مذہبی رہنماؤں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ مولانا کی ملاقاتوں‘ تعلقات اور یادداشتوں کو جمع کیا گیا ہے۔ مولانا عبدالغفار حسن رحمۃ اللہ علیہ نے جماعت اسلامی میں تقریباً ۱۶ سال گزارے اور بعد ازاں مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ اصولی اختلافات کی وجہ سے جماعت سے علیحدہ ہوگئے۔ مولانا نے جماعت سے اپنی علیحدگی کے تین اسباب کا ذکر کیا ہے:

> ’’میں نے اپنے استعفاء کے تین اسباب لکھے تھے: (۱) انقلابِ قیادت کا نعرہ اور الیکشن کی مہم جماعت کی اصل بنیادی پالیسی کے خلاف ہے بلکہ صریح اس سے انحراف ہے۔ مولانا مودودی مرحوم کا مقالہ ’’اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے؟‘‘ اور ’’تجدید واحیائے دین‘‘ میں ’’سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ناکامی کے اسباب‘‘ کے عنوان سے جو تحریر درج ہے‘ دونوں کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ۵۱ء سے جماعت نے فکری انقلاب اور اصلاح معاشرہ کے بجائے انقلابِ قیادت یا سیاسی انقلاب کا راستہ اپنایا ہے‘ نتیجہ واضح ہے ع نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم۔ (۲) ترجمان القرآن دسمبر ۵۶ء میں پریکٹیکل وزڈم

کے بارے میں جو مقالہ شائع ہوا ہے وہ یکسر قرآن وسنت کے خلاف ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک سیاسی دین ہے یعنی دین' سیاست کے تابع ہے' حالانکہ معاملہ برعکس ہونا چاہیے' یعنی ہمیں 'سیاسی دین' کی بجائے 'دینی سیاست' کی ضرورت ہے' جس میں سیاست دین کے تابع ہو۔ (۳) امیرِ جماعت کی طرف سے جائزہ کمیٹی کے ارکان کے نام جو نوٹ ارسال کیا گیا تھا وہ اسلامی عدل اور جمہوری تقاضوں کے یکسر خلاف تھا۔'' (ص ۱۶۳۔۱۶۴)

اگرچہ بعض اہل حدیث علماء مولانا عبدالغفار حسن رحمۃ اللہ علیہ سے یہ شکوہ کرتے نظر آتے ہیں کہ وہ جماعت اسلامی کی رکنیت کی وجہ سے اپنا اہل حدیث ہونے کا تشخّص برقرار نہ رکھ سکے تھے' لیکن مولانا ان اہلِ حدیث علماء کی اس نقد سے متفق نہیں ہیں۔ ایک جگہ ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں:

''سوال: کیا آپ جماعت اسلامی میں رہ کر مسلک اہلِ حدیث پر قائم رہے؟

جواب: جماعت اسلامی میں میرا اہلِ حدیث تشخص قائم رہا' نعیم صدیقی صاحب سے بعض اوقات بحث ہو جاتی تھی۔ وہ کہتے تھے رفع الیدین چھوڑ دو' کیا حرج ہے۔ میں نے کہا داڑھی کیوں نہیں بڑھاتے' داڑھی کٹا کر خود سنت کی خلاف ورزی کرتے ہو اور ہمیں کہتے ہو رفع الیدین نہ کرو۔ میں نے مولانا مودودی سے ان کے مسلک اعتدال کے بارے میں باقاعدہ بحث کی ہے۔ مولانا مودودی نے لکھا ہے کہ فقہ کا مسلک' محدثین کے مسلک سے قوی ہے۔ میں نے اس پر خط وکتابت کے ذریعے بحث کی' وہ آج بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ نعیم صدیقی صاحب نے یہ تجویز پیش کی کہ کارکنان کو مسلک اعتدال کا بھی مطالعہ کرایا جائے۔ میں نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ یہاں اہل حدیث بھی ہیں' حنفی بھی ہیں' مسلکِ اعتدال خالص مولانا مودودی کا نظریہ ہے' ہم سب اس کے حامی نہیں ہیں۔ اس لیے مسلکِ اعتدال کی تبلیغ یہاں نہیں ہوسکتی۔ میں نے فروعی مسائل جو حدیث کے خلاف ہیں ان کو بھی نہ مانا' باقاعدہ جماعت کی تربیت گاہوں میں اعلان کرتا رہا کہ ہم مسلک اعتدال کو نہیں مانتے۔ بڑی جھڑپیں ہوئیں' بڑی بحثیں ہوئیں' میں نے بہت کچھ برداشت کیا۔ میں نے جماعت کے مرکز میں رہ کر اہلِ حدیث تشخص کو برقرار رکھا۔'' (ص ۴۴۳)

جماعت اسلامی سے علیحدگی کے کچھ عرصہ بعد مولانا عبدالغفار حسن نے اپنی زندگی کے ۱۶ سال مدینہ یونیورسٹی میں تدریس کرتے ہوئے گزارے۔ مدینہ کے قیام کے دوران تقریباً تمام مسالک کے رہنما علماء سے ان کی ملاقات رہتی تھی۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

''میرے مدینہ کے قیام کے دوران جن لوگوں سے تجدید ملاقات ہوئی ان میں شامل ہیں: مولانا عبداللہ بہاولپوری' مولانا عطاء اللہ حنیف' شیخ عبداللہ کشمیری' ارشاد الحق حقانی' احسان الٰہی ظہیر' عبدالاحد بلتستانی' اور علماء سعودیہ میں سے شیخ محمد بن سبیل' شیخ حمید' شیخ عبدالعزیز بن صالح' شام کے محمد المبارک اور مصطفیٰ الزرقاء سے ملاقات رہی۔ جو حضرات میری دعوت پر گھر تشریف لائے ان میں چند ایک نام یہ ہیں: مفتی محمد شفیع' تقی عثمانی' شہابیہ سیالکوٹ کے محمد علی' مولانا غلام اللہ' مولانا محمد یوسف بنوری' مولانا عبیداللہ مبارک پوری' مولانا مختار احمد ندوی' مفتی محمود' حکیم عبدالرحیم اشرف' ڈاکٹر اسرار احمد' چچا عبدالوکیل خطیب'

مولانا ابوالحسن ندوی، مولانا منظور نعمانی، مولانا سمیع الحق۔'' (ص ۱۹۳۔۱۹۴)

مدینہ کے قیام کے دوران انہوں نے مشقت اور تکالیف میں انتہائی صبر کا مظاہرہ کیا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ قیام کے دوران کوئی تیرہ کے قریب کرائے کے مکان بدلے ہوں گے۔

''میں نے سولہ سال میں کوئی تیرہ مکان بدلے ہوں گے، سوائے ایک مالک مکان کے سب کے ہاں وعدہ خلافی پائی اور یہ مالک مکان بخاری تھے، اوپر نیچے کا مکان تھا، غالباً گارے کی دیواریں تھیں۔ فرش میں اکثر بچھو دیکھے، یہاں تک کہ مکان میں بلی کے بچے تھے جنہیں ان بچھوؤں نے کاٹ ڈالا۔ ایک دفعہ تعطیل گزار کر آئے تو دیکھا کہ سب کتابوں کو دیمک لگ چکی ہے۔ میزان الاعتدال اور نصب الرایہ دونوں کو دیمک چاٹ گئی تھی۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کا ''پوتے کی میراث'' کے موضوع پر ایک قلمی نسخہ تھا۔ شیخ عبدالکریم مراد نے مانگا بھی لیکن میں نے نہیں دیا۔ وہ 'معارف' میں چھپنے کے لیے بھیجا لیکن انہوں نے شائع نہیں کیا اور یہاں وہ دیمک کی نذر ہو کر رہ گیا۔ اس مکان کو قبل از وقت خالی کر دیا تو مالک مکان نے باقی مدت کا کرایہ واپس کر دیا۔'' (ص ۱۹۴)

ان کے مدینہ یونیورسٹی کے شاگردوں میں سے علامہ احسان الٰہی ظہیر، شیخ ضیاء الرحمٰن اعظمی، شیخ عبدالرحمٰن عبدالخالق، شیخ ربیع ہادی المدخلی، شیخ عبدالقادر حبیب اللہ سندھی، مولانا حسن جان، مولانا عبدالرزاق اسکندر، ڈاکٹر سہیل حسن، حافظ عبدالسلام کیلانی، حافظ ثناء اللہ عیسیٰ خان، ڈاکٹر محمد لقمان سلفی، ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار فرایوائی، حافظ مسعود عالم، مولانا عبدالرحمٰن مدنی وغیرہ نمایاں ہیں۔ علاوہ ازیں شیخ عاصم الحداد، حافظ عبدالوحید سلفی، مولانا محمد بشیر سیالکوٹی، مولانا عبدالعزیز علوی، مولانا عبداللہ عفیف اور مولانا محمود احمد غضنفر وغیرہ کا شمار بھی ان کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔

جماعت اسلامی اور مدینہ یونیورسٹی کے علاوہ جماعت اہلِ حدیث اور علمائے اہلِ حدیث کے ساتھ مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ کے تعلقات کی بھی ایک پوری تاریخ اس کتاب میں موجود ہے۔ مولانا اگرچہ صحیح معنوں میں منہج اہل حدیث پر قائم تھے، یعنی کتاب وسنت کی روشنی میں فقہاء کے اقوال میں سے اقرب الکتاب والسنۃ کو اختیار کرتے تھے، لیکن وہ اہل حدیث کی انتخابی سیاست میں شمولیت اور مسلکی مسائل میں غلو کو ناپسند جانتے تھے، جس کی وجہ سے بعض اہل حدیث علماء ان سے ناراض تھے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

''ایک دن [جسٹس] تنزیل الرحمٰن نے مجھ سے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ آپ کے خلاف بہت سی شکایات آ رہی ہیں، خاص طور پر اہل حدیث حلقوں سے کہ یہ تو اہلحدیث نہیں ہے، اسے اہل حدیث سیٹ پر کیوں نامزد کیا گیا ہے؟ میں نے کہا کہ انہی سے دریافت کیا جا سکتا ہے کہ کیا وجہ ہے؟ ایک دن اس بات پر بحث ہو رہی تھی کہ سیاسی اور مذہبی تنظیمیں قائم کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں، میں نے اپنا نظریہ پیش کیا کہ ہر دو قسم کی تنظیمیں شرعاً ناجائز ہیں، چونکہ اس سے امت میں افتراق پیدا ہوتا ہے بلکہ ہو رہا ہے۔ جب میں نے یہ وضاحت کی تو جسٹس صاحب بولے کہ اب میں سمجھ گیا ہوں کہ آپ کی مخالفت کیوں ہو رہی ہے۔ میرا اپنا طریق کار یہ رہا ہے کہ ہر مسئلہ پر قرآن وحدیث کی روشنی میں غور کرتا ہوں خواہ میری تحقیق کسی مسلک کے

خلاف پڑے یا موافق۔ کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ میری رائے سلفی مسلک کے خلاف ہو جاتی ہے اور کبھی حنفیہ کے خلاف۔'' (ص ۲۰۱۔۲۰۲)

ایک جگہ مولانا عبدالغفار حسن رحمۃ اللہ علیہ کی پوتی ڈاکٹر رملہ حسن اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھتی ہے:

''مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میں دادا کے پاس بیٹھی ہوئی تھی اور دادا ابا کسی کی بھیجی ہوئی کتاب ''حقیقت تقلید'' دیکھ رہے تھے۔ اس کتاب کو دیکھ کر خوش ہونے کی بجائے دادا ابا نے اس کا عنوان دیکھتے ہی فوراً کہا کہ جو لوگ مغربی تہذیب کی اندھا دھند تقلید کر رہے ہیں اس پر کوئی نہیں لکھتا' یہ لوگ کم از کم دین کی ہی تقلید کر رہے ہیں۔'' (ص ۳۹۹)

مولانا عبدالغفار حسن رحمۃ اللہ علیہ منہج اہل حدیث پر اس قدر سختی سے قائم تھے کہ وہ غیر مقلد اور اہل حدیث میں بھی فرق کرتے تھے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

''غیر مقلّد عام ہے یعنی غیر مقلد تو ہر وہ شخص ہو جاتا ہے جو تقلید ترک کر دے مگر اہل حدیث اس وقت ہو سکتا ہے جب وہ محدّثین کے مکتب فکر کو اپنا لے اور عقیدہ و عمل سے لے کر قوانین و ضوابط تک ہر چیز کی بنیاد کتاب و سنّت پر رکھے۔ اسی لیے مولانا امین احسن اصلاحی' کسی حد تک مولانا مودودی' ڈاکٹر اسرار احمد' مولانا حنیف ندوی وغیرہ' یہ لوگ غیر مقلد تو ہیں مگر اہل حدیث نہیں۔'' (ص ۵۹۰)

جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد مولانا عبدالغفار حسن اور ڈاکٹر اسرار احمد رحمہما اللہ کے مابین کافی عرصہ خوشگوار تعلقات قائم رہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ سے جب مولانا کے حوالے سے کسی قابل ذکر واقعہ کو بیان کرنے کا سوال ہوا' تو انہوں نے یہ واقعہ بیان فرمایا:

''مدینہ منورہ کے قیام کے دوران ایک دن میں نے مولانا کو فیض کی یہ نظم سنائی کہ جس میں وہ کہتا ہے:

''مرنے چلے تو سطوتِ قاتل کا خوف کیا' اتنا تو ہو کہ باندھنے نہ پائے دست و پا۔ اس نظم کو مولانا نے بہت پسند کیا اور وہ دوبارہ پڑھوا کر باقاعدہ ٹیپ پر ریکارڈ کرا لیا۔'' (ص ۵۳۵۔۵۳۶)

مولانا اپنی یادداشتوں میں بعض معاملات میں ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی کھل کر تعریف کرتے ہیں' جبکہ بعض اوقات ان سے کسی شکوہ کا بھی اظہار فرما دیتے ہیں۔ ایک جگہ مولانا فرماتے ہیں:

''ڈاکٹر صاحب کی اس خوبی کو میں سراہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جس وقت ان کے داماد (بھائی اقتدار احمد کے فرزند) کا عین جوانی کے عالَم میں ایک حادثے میں انتقال ہوا تو تدفین کے موقع پر برسرِ عام اعلان کیا کہ ان کے لیے کوئی قرآن خوانی کی رسم نہیں کی جائے گی۔'' (ص ۱۸۰)

مولانا کے بقول وہ ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش پر ساہیوال منتقل ہوئے تھے تاکہ ان کے قرآن ہاسٹل میں تدریس کے فرائض سرانجام دے سکیں۔

کتاب کا دوسرا حصہ

کتاب کے دوسرے حصے میں مولانا عبدالغفار حسن رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹوں' بہوؤں' پوتوں اور پوتیوں میں سے خبیب حسن' سہیل حسن' راغب حسن' احمد حسن' حامد حسن' نمیر حسن' حافظ نضیر حسن' عزیر حسن' اسید حسن' اُم عمیر'

اُم یاسر، رملہ حسن اور رفیدہ حسن نے ان کی گھریلو اور نجی زندگی کے بارے میں کافی معلومات جمع کی ہیں اور ان کے زہد، تقویٰ، حسن سلوک اور اخلاقِ حسنہ پر عمدہ طریقے سے روشنی ڈالی ہے۔ مولانا کی زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ منکرات کو کسی صورت برداشت نہیں کرتے تھے اور فوراً اپنے ردعمل کا اظہار کر دیتے تھے۔ مولانا کے بیٹے خبیب حسن احتشام رقم طراز ہیں:

''منکرات پر غم وغصہ کا ایک واقعہ مجھے یاد ہے کہ کراچی میں اپنے کسی عزیز کے جنازے میں تشریف لے گئے، میں ساتھ تھا۔ قبرستان پہنچے تو میت دفنائی جا رہی تھی اور کچھ لوگ ایک طرف بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ انہیں سخت الفاظ میں ڈانٹا کہ یہ جگہ اپنی موت کو یاد کرنے کا مقام ہے، خوش گپیوں کا نہیں۔ رؤیت ہلال کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے مختلف صوبائی حکومتوں میں جانا ہوتا۔ کراچی میں کمیٹی کا اجلاس حبیب بینک بلڈنگ میں ہوتا اور اجلاس کے بعد بینک کی طرف سے کھانے کا انتظام ہوتا لیکن والد صاحب بینک کے سودی معاملات کی وجہ سے معذرت کر کے چلے آتے۔'' (ص ۳۱۶۔۳۱۷)

مولانا عبدالغفار حسن رحمۃ اللہ علیہ کے رہن سہن میں سادگی تھی۔ ان کے بیٹے ڈاکٹر سہیل حسن ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اپنی ساری زندگی میں سادگی کو اپنائے رکھا، لباس اور دیگر استعمال کی چیزوں میں کسی قسم کی فضول خرچی پسند نہیں کرتے تھے۔ سعودی عرب میں علمائے کرام اپنے لباس پر ایک خصوص عبا پہنتے تھے جس کے کنارے پر سنہرا گوٹہ لگا ہوا ہوتا تھا، ابا جان کو بھی مشورہ دیا گیا کہ وہ دورانِ تدریس یہ عبا پہنا کریں تو انہوں نے مجھے تاکید کی کہ ایسا عبا تلاش کرو جس کے کناروں پر سنہرا کام نہ ہو۔'' (ص ۳۳۴)

مولانا کو ٹیلی ویژن وغیرہ سے شدید نفرت تھی۔ ایک مقام پر ان کے بیٹے راغب حسن لکھتے ہیں:

''ٹیلی ویژن سے بھی سخت نفرت کرتے اور اپنی اولاد کو اس منحوس آلہ کو رکھنے سے منع کرتے۔ اگر آپ کو پتا چلتا کہ آپ کے کسی بیٹے، بیٹی یا دیگر متعلقین کے پاس یہ آلہ موجود ہے تو آپ یہاں تک کہہ دیتے کہ میں اسے عاق کر دوں گا۔'' (ص ۳۴۰)

اخبار میں عورتوں کی تصاویر پر مولانا کا ردعمل، غضِ بصر کے بارے میں سلف کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ ان کی بھانجی اور بہو اُم یاسر لکھتی ہیں:

''ملکی حالات سے باخبر رہتے تھے، اخبار پہلے آپ ہی کے ہاتھوں میں جاتا تھا۔ رنگین صفحہ پر عورتوں کی تصاویر کو مارکر سے کالا کر دیتے تھے۔ اکثر تو وہ صفحات ہی پھاڑ کر پھینک دیتے تھے تاکہ دوسرے لوگوں کی نظریں نہ پڑیں۔'' (ص ۳۹۴)

(تبصرہ نگار: ڈاکٹر حافظ محمد زبیر، اسسٹنٹ پروفیسر، کامسٹس انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی، لاہور)

MESSAGE OF THE QUR'AN

Translation and Brief Elucidation

By

Dr. Israr Ahmad

Surah An-Nisa—cont....

(Ayaat 36-44)

Translator's Note:

For the sake of continuity and coherent explanation, most of the general discourse has been made by employing the 'male' as a prototype, which is in no way meant to be diminutive of the opposite gender or disrespect the status of women. Moreover, each verse (Ayah) has been broken into sections in order to explain the subject matter of that particular portion and then relate it to the preceding and the proceeding ones. Sections of the same Verse are given in bold. Cross-references taken from other parts of the Qur'an and the Hadith of the messenger of Allah (SAW) are provided in italics.

Verse 36

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ

"Worship Allah (SWT) alone and associate none (nothing) with Him (SWT), and be noble (beneficial) to your parents and to your kinsfolk, orphans, the poor, the neighbor who is kith and kin, the neighbor who is a stranger, the companion by your side, the wayfarer (you meet), and those (slaves) whom your right hands possess."

The essence of Islam is to worship Allah (SWT) alone and not associate any partners with Him (SWT) because it is He (SWT) alone who created, controls, evolves and sustains the universe till the prescribed period of time known as the 'Hour' arrives. Thus we must

turn to Allah (SWT) alone by dedicating all forms of worship whether internal or external, material or transcendental only for Him (SWT). This includes love, glorification, hope, fear, reliance, supplication, seeking of aid, rituals of sacrifice, oaths, bowing, prostration, etc. At the Macro-level it entails striving to establish (or restore as in our case) all systems – political, economic, social, educational – and more in the exact manner that He (SWT) wants manifested.

Those who worship other than Allah (SWT) believe that although He is the Creator, but other beings of the creation also play a role in the running of the affairs of the world. A classic example of this is the Christian doctrine of Trinity. Unfortunately, many of the Muslims today have also fallen prey to this kind of Satanic ploy, often calling out for help and supplicating to others than Allah (SWT), both at the micro and the macro levels.

Secondly, in this ayah Allah (SWT) commands the believers to be virtuous to their fellow beings. He ordains that one's parents, relatives, neighbors, the poor, the weak, the distressed, the orphans and others who are in need of a lending hand should all be treated with kindness. Being kind to the creatures entails being generous to them and refraining from harming them.

The verse is a classic example of the rights of our Lord, Allah (SWT) and the rights of fellow beings incumbent on every one of us. In the jargon of Islamic Jurisprudence the former are termed as '*Huquq Allah*' and the latter '*Huquq-al-Ibad*'.

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ۝

"Verily, Allah (SWT) does not like any (soul), arrogant and boastful"

Arrogance is arguably the first sin committed by anyone (Iblees to be precise, when he refused to obey Allah's command and prostrate before Adam). With much emphasis at disposal, this portion of the verse bemoans those who think high of themselves and do not care of their fellow beings. Allah (SWT) abhors arrogant and boastful creatures.

Verse 37

الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ

"Those who are niggardly and enjoin niggarliness on other men and hide what Allah (SWT) has bestowed upon them of His Bounties."

The verse explains that Allah (SWT) is not fond of those who, in their arrogance, nigardliness and selfishness, do not spend in His (SWT) cause from the bounties and favors that He (SWT) has bestowed upon them such as money, property, wealth, energy, time, skills etc. They are themselves niggardly and enjoin others to be niggardly in a way as if Allah (SWT) has not bestowed anything upon them. For example a rich person who conceals Allah's (SWT) bounties by living below his standard and not spending from his wealth on himself, his family or the needy. So by his appearance people think of him as needy. How many times do we hear people living or doing business around us complaining of 'lack of profits and resources'?

وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝

"And We have prepared for the disbelievers a disgraceful torment."

Generally such people would not be categorized as disbelievers. However, in the verse Allah (SWT) promises a painful punishment for 'such disbelievers' in the Hereafter. Apparently, these verses seem directed particularly towards the Munafiqin of Madinah, who possessed heaps and loads of wealth but became instant-misers when asked to spend some in the way of Allah (SWT), particularly at the call of Jihad (Qitaal). The verse may also entail those who try to choke the natural circulation of wealth via illegal means such as hording or colluding. Ripping someone else of his wealth also falls in the category of grave sins. Allah Knows best!

Verse 38

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ

"And (also) those who spend of their wealth for the sake of ostentation and believe not in Allah (SWT) and the Last Day"

The likes of those, who are so resourceful that they could wipe starvation from the face of the earth in a day! Those who spend their wealth and property only to show off to the people, and not for the pleasure of Allah (SWT), they actually do not believe in Allah (SWT) nor the Day of Judgment.

وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ۝

"And whoever takes Satan for his friend; then what an evil (wicked) friend he has befriended!"

So Satan becomes their companion and encourages them further to be miserly in spending, yet arrogant and boastful in attitude, directing them eventually towards Hellfire.

Verse 39

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ

"And what loss would they have had, if they had believed in Allah (SWT) and in the Last Day, and then spent in His (SWT) way of what Allah (SWT) has given them for sustenance."

Therefore, would they have believed in Allah (SWT) and the Last Day and spent in His (SWT) cause instead of being tightfisted yet arrogant and boastful, then it surely would have been better for them in this world and in the Hereafter. In this world they would have helped others out of testing times and the reward in the Hereafter would have been nothing less that Allah's (SWT) pleasure and paradise.

وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۝

"And Allah (SWT) is the All-Knower of them (all)."

He (SWT) knows those amongst them who are true believers in Him (SWT) and the Last Day and who then perform righteous actions with unsoiled intentions. He (SWT) alone is the knower of All things, including intentions.

Verse 40

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ

"Surely! Allah (SWT) wrongs not even of the weight of a husk of a grain,"

In this verse Allah (SWT) reassures mankind that He (SWT) is not unjust to His (SWT) servants. In fact He (SWT) need not be unjust as all wealth, material or otherwise, is His (SWT) own creation and true ownership of all things belongs to Him (SWT) alone. Moreover, Keeping His (SWT) Word is one of His (SWT) Divine attributes. However, Allah (SWT) rewards people according to the quality of their deeds (or of the intentions behind them).

وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

"And if there is any good (deed), He (SWT) multiplies (the reward for) it and (even) grants from Himself (SWT) a resounding reward."

If someone brings good deeds on the Day of Judgment, then Allah (SWT) says that He (SWT) will increase the reward twice and if He (SWT) pleases, He will increase it manifold, thus furnishing that person a loftier place in Paradise.

Verse 41

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿٤١﴾

"How (will it be) then, (imagine) when We bring forward from each nation a witness and We bring you [the Messenger of Allah (SAW)] as a witness against these people."

Every Prophet of Allah (AS) will be a witness for those who believed in him (AS) and against those who rejected him (AS). As Allah's (SWT) representative on earth, he (AS) will bear witness to the fact that he (AS) conveyed Allah's (SWT) message to the people he (AS) was send to and thus there will be no possibility for excuses. Similarly Prophet Muhammad (SAW) will testify as a witness against those who rejected him (SAW).

عن عبد الله (ابن مسعود) قال: قال لي رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : اقرَأْ عليَّ. قال: قلتُ : أَقرَأُ عليكَ وعليكَ أُنزِلَ؟
قال: إني أشتَهي أن أسمَعَه مِن غيري. قال: فقرَأتُ النساءَ حتى إذا بلغتُ : فكيفَ إذا جِئنا مِن كلِّ أمةٍ بشهيدٍ وجِئنا بكَ
على هؤلاءِ شهيدًا. قال لي: كُفّ، أو أمسِكْ. فرأيتُ عينَيه تَذرِفانِ. رواه البخاري (06: 106)

Narrated Abdullah (Ibn Mas'ud), Allah's Apostle said to me: "Recite (of the Qur'an) for me". I said: "Shall I recite it to you although it had been revealed to you?!" He said: "I like to hear (the Qur'an) from others". So I recited 'Surah An-Nisa' till I reached: "How (will it be) then when We bring from each nation a witness and We bring you (O Muhammad) as a witness against these people?!" (4: 41) 'Then he said: "Stop!" Behold, his eyes were shedding tears then." *Sahih Bukhari (06:106)*

The mere fact that the Prophet (SAW) will be called as a witness against many, saddened him (SAW).

Verse 42

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ط

"On that day those who disbelieved and disobeyed the Messenger (SAW) will wish that the earth might be leveled with them."

On the Day of Judgment the disbelievers will wish that the earth

would open up and swallow them because of the disgrace and humiliation that they will suffer on account of their evil deeds, or that they could find some mode of hiding their faults.

وَلَا يَكْتُمُونَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۝

"And (the fact is that) they will not be able to conceal anything from Allah (SWT)."

That would occur simply because Allah (SWT) is the Knower of all their deeds and intentions. Moreover, there will be witnesses against them as mentioned in the previous verse. Additionally each person will be self-aware of the deeds that he did in his worldly life and would hence be self-cognizant to an extent of what consequence now lays ahead for him.

Verse 43

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ

"O you who believe! Approach not prayers when you are drunk (intoxicated) until you know of what you utter. Nor when you are in a state of (sexual conjugal) impurity, except while traveling (journeying on the road), till you wash yourselves."

This is the second of the three Divine Commandments concerning the banning of drinking liquor. The first commandment regarding intoxicants was revealed in Surah Al-Baqarah, that drinking is an evil thing, but the commandment in that verse did not explicitly prohibit the consumption of alcohol. Some of the believers then started to refrain from it but some of them did not give it up and often prayed in a state of intoxication, because of which they committed many mistakes in the recitation of the Qur'an during their prayer. Afterwards Allah (SWT) revealed this ayah and prohibited the believers from praying in a state of drunkenness, until they came back to their senses and grasped the meaning of words they uttered while praying.

As the subject is also related to entering mosques, in this part of the verse Allah (SWT) also commands believers not to enter mosques while in a state of conjugal impurity until they have made 'Ghusal' (Islamic mode of taking a bath) and cleansed themselves, but there is no harm on those who are journeying (and water is not available) as is

clearer from the next part of the verse.

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مَّرۡضٰٓى اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡكُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَيَمَّمُوۡا صَعِيۡدًا طَيِّبًا فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡهِكُمۡ وَاَيۡدِيۡكُمۡ ؕ

"And if you are ill, or on a journey, or one of you comes after privy after answering the call of nature, or you have been in sexual contact with women and you find no water, then take clean earth and wipe therewith your faces and hands."

This Ayah describes the Commandment of Tayammum i.e. dry ablution from clean earth, which may be performed in place of normal ablution or Ghusal on becoming sexually impure. If no clean water is available or if its use is harmful then this dry (with clean sand or earth) ablution (Tayammum) is allowed.

To perform Tayammum, a person should strike the soil with his hands, blow into them and wipe his face and his hands up to the wrist, as is recorded by Bukhari, narrated by Ammar (RA).

> *He said, "We became sexually impure and had no water, so we rolled in the dirt and prayed. This was mentioned to the Prophet (SAW) and he said, 'This would have been enough for you,' and he (SAW) struck the earth with his (SAW) hands, blew in them and then wiped his (SAW) face and hands with them."*
>
> *(Sahih Bukhari 7: 337; Musnad Ahmed 4: 265)*

While the Hadith recorded by Darqutni has the following words, 'It *would have been enough for you to strike the ground with your hands, blow into them, and then wipe your face and hands up to the elbows.'*

(Darqutni)

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوۡرًا ۝

"Truly, Allah (SWT) is Oft-Pardoning, Oft-Forgiving."

Thus by giving us merciful concessions, at times even in the performance of His (SWT) strictest of Divine commandments in cases where one does not get hold of the resources to fulfill them, Tayammum being a case in point, Allah (SWT) is indeed Pardoning and Forgiving.

قرآن فہمی بذریعہ خط و کتابت کورسز

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

نادر موقع !

مرکزی انجمن خُدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے 3 منفرد

خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں :

۱) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطۂ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور مؤثر کورس ہے۔ اس کورس کے لیے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے' اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی۔

۲) عربی گرامر خط و کتابت کورس (I, II, III)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لیے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ عربی گرامر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرامر کے تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں عربی گرامر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

۳) ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کے لیے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہِ راست سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اور اس طرح آیاتِ قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کے لئے درج ذیل پتے پر رجوع فرمائیں

ناظم شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: 03-35869501

Email: distancelearning@tanzeem.org

Quarterly
Apr.- Jun. 2014

HIKMAT-E-QURAN

Lahore
Vol.33 No.2

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان ـــــ اور ـــــ سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانے ـــــ اور ـــــ اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ ـــ اور ـــ غلبۂ دینِ حق کے دور ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ